قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى
بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ
وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ہ
(۱۲-۱۰۸)

خلاصہ: کہہ دیجیے کہ میرا راستہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف میں دعوت دوں (لوگوں کو) عقل اور بصیرت کی بنیاد پر، میں اور میری اتباع کرنے والے اللہ کی ذات پاک ہے اور میں اس کے دیے ہوئے پروگرام میں اس کیساتھ کسی کو شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

قرآن کے نقطۂ نظر سے

از قلم عزیز اللہ بوہیو

سندھ ساگر اکیڈمی

سانپ اور بچھو ایک سوراخ میں جمع ہو جائیں گے علمائے دنیا پرست کبھی یکجا اکٹھے نہ ہوں گے، کتوں کا مجمع ویسے تو خاموش رہتا ہے لیکن ادھر قصائی نے ہڈی پھینکی اور ادھر ان کے پنجے تیز اور دانت زہر آلود ہو گئے۔ یہی حال ان سگان دنیا کا ہے۔ ساری باتوں میں متفق ہو سکتے ہیں لیکن دنیا کی ہڈی جہاں سڑ رہی ہو وہاں پہنچ کر اپنے پنجوں اور دانتوں پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ فساق و فجار خرابات میں بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کا جام تندرستی پیتے ہیں۔ چور اور ڈاکو مل جل کر راہ زنی کرتے ہیں مگر یہ گروہ! خدا کی مسجد اور زہد و عبادت کے صومعہ و خانقاہ میں بیٹھ کر بھی متحد و یکدل نہیں ہو سکتا، ہمیشہ ایک دوسرے کو درندوں کی طرح چیرتا پھاڑتا اور پنجے مارتا ہے۔ مئے کدوں میں محبت کے ترانے اور پیار و الفت کی باتیں سننے میں آجاتی ہیں، مگر عین محراب کے نیچے پیشوائی امامت کے لیے ان میں سے ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کی گردن پر پڑتا اور خونخواری کی ہر آنکھ دوسرے بھائی کے خون پر لگی ہوتی ہے۔ حضرت مسیح نے احبارِ یہود سے فرمایا تھا تم نے داؤد کے گھر کو ڈاکوؤں کا بھٹ بنا دیا ہے۔ ڈاکوؤں کے بھٹ کا حال تو معلوم نہیں لیکن ہم نے مسجد کے صحن میں بھیڑیوں کو ایک دوسرے پر غرّاتے اور خوں آشام دانت مارتے دیکھا ہے۔

(تذکرہ صفحہ ۸۴-۸۳)

امام الہند ابوالکلام آزاد

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(۱۲-۱۰۸)

خلاصہ: کہہ دیجیے کہ میرا راستہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف میں دعوت دوں (لوگوں کو) عقل اور بصیرت کی بنیاد پر، میں اور میری اتباع کرنے والے اللہ کی ذات پاک ہے اور میں اس کے دیے ہوئے پروگرام میں اس کیساتھ کسی کو شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

قرآن کے نقطۂ نظر سے

از قلم عزیز اللہ بوہیو

ناشر: عزیز اللہ بوہیو۔ P.O. ولیج خیر محمد بوہیو براستہ نوشہرو فیروز

سندھ ساگر اکیڈمی

فہرست

محترم جناب عزیز اللہ بوہیو صاحب

اسلام علیکم

جناب عالی میں یہ خط لکھنے والا پرویز سولنگی سندھ یونیورسٹی میں ایم اے انگلش کا اسٹوڈنٹ ہوں میں نے آپکی کچھ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جن کے پڑھنے سے اطمینان ہوا اور کچھ ذہن تسلیم کرنے لگا ہے کہ اسلام وقرآن واقعتاً ایک عقل وفہم پر مبنی فلسفہ رکھنے والا دین ہے اسکی اپنی ایک لاجک اور معقولیت ہے، اسکے باوجود اسلام کے اندر کافی سارے معجزات جیسے کہ حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سمیت لاٹھی سے سمندر سے راستہ لینا پھر اسی جگہ سے فرعون کا لشکر سمیت ڈوب جانا چٹان سے بارہ چشمے لاٹھی مار کر نکالنا، ید بیضا، عیسیٰ کا بن باپ پیدا ہونا، مردوں کو زندہ کرنا، جھولے میں جھولنے کی عمر میں بات کرنا، جناب محمد رسول اللہ کا معراج پر جانا، چاند کو دو ٹکڑے کرنا وغیرہ، انکے اوپر اگر وضاحت سے روشنی ڈالینگے تو مہربانی ہوگی۔

پرویز سولنگی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

معجزہ کسے کہتے ہیں۔

معجزہ یہ صیغہ واحد موئنث اسم فاعل ہے، اسکی معنی ہے عاجز بنانے والی کوئی شیئے، کوئی بات اور چیز ہے، لفظ معجزہ کے صیغہ کے مادہ عجز یعجز کے حوالہ سے یا خلاصہ اور اصطلاحی مفہوم کے حوالہ سے معنی ہے کہ مافوق الفطرت یعنی قوانین سے ماورا، اور خرق عادت، یعنی ممکنات والی عادت کے برعکس کوئی ایسی غیر ممکن اور غیر معتاد بات یا کام کر کے دکھانا، جو سامعین اور ناظرین کو ماننے کیلئے عاجز کردے، لاجواب بنادے، مجبور کردے، جسے عام قسم کے لوگ عمل میں نہ لاسکیں، پورے قرآن حکیم کے اندر انبیاء اور رسل علیہم السلام کے کارناموں اور سوانحی تعارف میں کسی بھی مقام پر انکی انقلابی فتوحات کے تذکروں کا تعارف لفظ معجزہ کے ساتھ نہیں کرایا گیا، چہ جائیکہ قرآن میں کئی نبیوں کے ایسے واقعات اور فتوحات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ غیر قرآنی وہ مذہبی علوم ہیں جو کہ مسلم امت کو امامی اسکولوں کے روٹ سے دیئے گئے ہیں، جو فقہ وحدیث اور تفسیر بالروایات کے ناموں سے مذہب اسلام کی دینیات کے نام سے مشہور کئے ہوئے ہیں، معجزہ کا لفظ یا اصطلاح انبیاء علیہم السلام کی فتوحات اور ان کے کارناموں کے ساتھ ان امامی مذاہب کی طرف سے جوڑی گئی ہے، جو کام انہوں نے دشمنان دین اور دشمنان علم وحی کے مقابلہ میں سرانجام دئے تھے اللہ نے قرآن میں فتوحات انبیاء کو یا اپنی طاقت کے استعمال کیلئے معجزات کے الفاظ سے کہیں بھی تعبیر نہیں کیا، مسلم امت کی میراث علم میں کئی ساری غیر قرآنی اور خلاف قرآن چیزیں چمٹائی اور نتھی کی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک چیز معجزات نامی چیز بھی ہے یعنی جس بات سے ناظرین اور سامعین کو عقلی اور ذہنی طور پر عاجز بنا کر ماؤف کر کے انہیں لاجواب کیا جائے۔ یعنی جب کہ اللہ پاک نے انبیاء علیہم السلام کی فتوحات اور کارناموں کا بڑے تکرار کے ساتھ ذکر بھی کیا ہے پھر بھی کسی بھی مقام پر شق قمر کو، لڑائیوں میں نزول ملائکہ وغیرہ کو کہیں بھی معجزوں سے تعبیر نہیں فرمایا، تو بالآخر یہ

کیوں؟ بلکہ جناب قارئین! دشمنان انبیاء، دشمنان خدا کو قرآن حکیم نے بارہ مرتبہ سے بھی زیادہ چیلنج کیا ہے کہ وماانتم بمعجزین فی الارض ولافی السماء (۲۲-۲۹) یعنی تم اعداء دین میں کوئی دم نہیں ہے جو تم ہمارے سامنے آکر مجھ اللہ اور میرے رسولوں کو عاجز بنا سکو، اور دوسری طرف محترم قارئین! اللہ عزوجل جبکہ ہر چیز پر قادر بھی ہے کسی کی مجال نہیں کہ اسکے سامنے کوئی دم مار سکے اور اللہ چاہے تو ایک دم بھر میں ساری کائنات کو عاجز اور معطل بھی بنا سکتا ہے، لیکن اسکے باوجود پورے قرآن میں اللہ پاک نے کسی ایک بھی مقام پر یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ تمہیں عاجز بنا کر اپنی بات منواؤنگا، جب اللہ نے اپنے پاک کلام میں ایسی کوئی بات نہیں فرمائی اور مخالفوں کو ئی ساری وعیدیں سنانے کے باوجود انہیں عاجز بنا کر اپنی مدعا منوانے کی دھمکی نہیں دی بات نہیں کی تو ایسے اللہ کیلئے یہ مشہور کرنا کہ وہ مخاطبین کے دماغوں کو مسمرائیز کر کے یا انکے سامنے انسانی اپروچ سے بڑھ کر سمجھ اور عقل سے ماورائی حساب سے انسانی طاقت کے معمولات سے بالا بالا کرتب دکھا کر انہیں لاجواب کر دیتا ہے یہ الزام ہے، یہ بغیر ثبوت کا بہتان ہے، مطلب کہ اللہ نے اپنے انبیاء کے ہاتھوں کوئی غیر عقلی ذریعہ استعمال نہیں کرایا، انسان حدود فکر وعمل سے بڑھ کر انکے ہاتھوں کوئی کرشمہ نہیں پیش کرایا، کوئی ناممکن العمل کرتب نبیوں کی جدوجہد وسرگذشت میں استعمال نہیں کرایا۔

معجزہ کی تفہیم وتشریح کی روشنی میں اللہ اپنی بات منوانے کا قائل نہیں ہے۔

اگر اللہ عزوجل اپنا دین، انبیاء علیہم السلام کو معجزات دیکر انکے بل بوتے، منوانے اور سمجھانے کو درست سمجھتے تو قرآن حکیم میں چوبیس بار افلا تعقلون اور لعلکم تعقلون جیسی اپیلیں، یعنی عقل سے سوچنے کی اپیلیں کیوں کرتے؟ معجزہ تو عقل کی نفی کرتا ہے، سوچنے کی نفی کرتا ہے، قرآن میں اللہ نے دعوت تفقہ دی ہے کہ انظر کیف نصرف الآیات لعلهم یفقهون (۶۵-۴۷) اور ان فی ذالك لآیات لقوم یتفکرون (۳-۱۳) یعنی تدبر تفکر کی اپیلیں

اورتاکیدیں کیوں کی جاتی ؟اوراگر اقتربت الساعۃ وانشق القمر کی معنی چاند کے دوٹکڑوں کا زمین پر نیچے آنا مراد ہوتا تو پھران غیر عقلی اور جبری مافوق العقل والفطرت کے کرتبوں سے قوانین قرآن کا منوانا مقصود ہوتا تو قرآن میں تفہیم آیات کیلئے پھر سیکڑوں بار قرآن کو نور یا مبین یا مفصل وغیرہ کے تعارف سے کیوں پیش کیا جاتا؟ جبر کے ڈنڈے سے، ٹارچر ذہنی وجسمانی سے آدمی اونٹ کو ہرن ماننے کیلئے بھی مجبور ہوسکتا ہے!!!

حقائق قرآن کے ثبوت کیلئے اللہ نے معجزات دینے اور دکھانے کے بجاء عقلی دلائل کو کسوٹی قرار دیا ہے۔

قرآن کو خرق العادۃ اور مافوق الفطرت کرشموں سے اسلئے سمجھانا مقصود نہیں کہ ایسے مثال تو پھر ایک بار زمانہ نبوت میں نبی کی زندگی تک محدود ہوکر رہ جاتے ہیں روزانہ کسی مولوی کے ہاتھوں چاند کے ٹکڑے اور سمندر کے پھٹ جانے کی باتیں تو نہیں مانی جاسکتیں اور پھر بعد میں پیدا ہونے والے لوگوں کیلئے پرائی دیکھی ہوئی چیز کافی نہ ہوتی جب تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے خود ایسے مشاہدے نہ کریں لئے اللہ نے حقائق قرآن کو سمجھانے اور انکی تفہیم کیلئے جو اسلوب اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ واذا لم تأتھم بایۃ قالوا لولا اجتبیتھا، قل انما اتبع مایوحیٰ الیّ من ربی ھذا بصائر من ربکم وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون (۷-۲۰۳) یعنی اے نبی جب آپ لوگوں کے مطالبہ اور مرضی پر انہیں کوئی معجزہ نہیں دے رہے تو لوگ کہتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ کیوں تو اپنی طرف سے ہی کوئی چیز گھڑ کر کے نہیں دیتا تو، تو اللہ نے اپنے رسول سے یہ جواب دلایا کہ میں تو اس چیز کی تابعداری کرنے کا پابند ہوں جسے میرا رب میری طرف وحی فرمائے اور جہاں تک غیر فطری کرشموں اور کرتب بازی کی بات ہے تو جان لو کہ یہ قرآن ھذا بصائر من ربکم یہ تو عقل اور بصیرت پر مبنی ہدایات والی کتاب ہے صرف ان لوگوں کیلئے جو ایمان لانے والے ہوں، سو قرآن کو بصیرت افروز عقلی دلائل سے دنیا والوں کو سمجھانا ہے کہ ہم چھومنتر کے قائل نہیں ہیں، اسلئے اے میرے رسول دنیا والوں کیلئے اعلان کردے کہ ھذہ سبیلی ادعوا الی

اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحان اللہ وماانا من المشرکین (۱۲-۱۰۸) یعنی میری جو راہ ہے (تفہیم قرآن کیلئے) اللہ کی طرف جو دعوت دیتا ہوں وہ دعوت بصیرت پر مبنی فکر وفلسفہ اور عقلی دلائل والی دعوت ہے صرف میں ہی کیا، لیکن جو بھی کوئی شخص میرا کہلائے تو اسکے پہچان کی نشانی بھی یہ ہے کہ وہ معجزات کے مقابلہ میں بصیرت والی فہم وفراست والی چیزوں کی دعوت دیگا، یعنی جو بصیرت کے مقابلہ میں عقل سے ماورائی خارق العادات کا پیروکار ہو تو وہ میرا نہیں ہے مافوق الفطرت چیزوں کو پسند کرنے والا میرا نہیں ہے، یہ آدمی کسی اور ہی غیر قرآنی علم کا تابعداری کرنے والا ہے جناب محترم قارئین! قرآن حکیم کی عبارات اور متن میں جو لوگوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام جناب عیسیٰ علیہ السلام جنابہ مریم علیہا السلام جناب ابراہیم علیہ السلام جناب محمد الرسول اللہ سے متعلق لازم ہے کہ ایسے جملہ قصوں کو میں بیان کروں انکی اپنی لفظی معناؤں کی روشنی میں قارئین کی خدمت میں انکے مفاہیم پیش کروں،، لیکن قبل اسکے یہ واجب ہے اور لازم بنتا ہے کہ معجزات سے متعلق اللہ کے نقطہ نظر پر غور کیا جائے، معجزات سے متعلق قرآن حکیم کے سمجھائے ہوئے موقف پر غور کیا جائے، پھر اسکے بعد جن قرآنی آیات سے معجزوں کے مفہوم اخذ کئے گئے ہیں ان ان آیات کو اللہ کے سمجھائے ہوئے نقطہ نظر اور قرآنی موقف کی کسوٹی کی روشنی میں متعین کیا جائے اسکیلئے ضروری بنتا ہے کہ قرآن حکیم سے معجزات کے متعلق اسکی ہدایات اور رہنمائی حاصل کریں۔

جب اللہ نے آیات کو کھول کھول کر بیان کیا ہے تو اب معجزہ کیونکر؟

وقال الذین لایعلمون لولا یکلمنا اللہ او تأتینا ایۃ کذالک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم قد بینا الایات لقوم یؤمنون (۲-۱۱۸) محترم قارئین! اس آیت میں سمجھایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے انکے ساتھ براہ راست اللہ کے کلام کرنے کے معجزہ کا مطالبہ کیا ہے وہ لوگ جاہل تھے لاعلم تھے لایعلمون تھے اسکا مطلب یہ بھی ہوا کہ اسطرح کا

مطالبہ اہل علم کے شان سے نہیں ہوتا، بہر حال اللہ نے انکے مطالبہ کے حوالے سے فرمایا کہ اسطرح کا مطالبہ ان سے پہلے والے لوگوں نے بھی کیا تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے اگلوں پچھلوں کے دل آپس میں مشابہ ہیں جیسے اگلے نااہل ویسے یہ معجزہ طلب کرنے والے پچھلے بھی، تو انکے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ تم جو اللہ سے براہ راست کلام کرنے کا مطالبہ کرر ہے ہو، اب ایسے کلام کی گنجائش ہی کیا رہی ہے جبکہ ہمنے اپنی آیات کو نکھار کر کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ہاں البتہ یہ بات ضروری ہے کہ ہمارا بیان تو اصحاب یقین لوگوں کیلئے ہے۔ محترم قارئین! قرآن حکیم نے معجزوں کی اہمیت اور ضرورت کو یہ فرما کر رد کر دیا کہ جب کوئی کلام، کوئی علمی مسئلہ کوئی حقیقت کھول کر بیان کی جائے اور اسے اہل یقین لوگ قبول کرلین تو اسکے بعد مذبذب رہنے والے وہمی لوگوں کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے جو انکو معجزات دینے دکھانے کے ذریعے سمجھایا جائے، آگے پھر اللہ نے ایسے وہمی باتونی ذہنی مریضوں کے متعلق فرمایا کہ وان یرو کل آیة لایؤمنون ابھاحتی اذاجاؤك یجاد لونك یقول الذین کفروا ان ھذا الا اساطیر الاولین (۳۵-٦)۔

خلاصہ

اگر یہ لوگ ساری کی ساری (مطمئن کرنے والی معجزاتی نشانیاں دیکھ بھی لیں اسکے باوجود ان پر ایمان نہیں لائینگے، اس حدتک (یہ لوگ خبطی ہیں جو) تیرے ہاں آکر بھی تجھ سے جگھڑا کرینگے جو لوگ کافر ہیں وہ کہینگے کہ یہ تو پہلے زمانے کے لوگوں کے کہانیاں ہیں۔ (خلاصہ ختم)

تفہیم قرآن کیلئے معجزوں کو اہمیت دینا یہ جاہلوں کی سوچ ہے

ولوانـنـا انـزلـنـا الیھم الـمـلائکة و کلمھم الموتی و حشرنا علیھم کل شیء قبلاما کانوا لیؤمنوا الاان یشاء اللہ ولکن اکثرھم یجھلون (۱۱۱-٦)

خلاصہ

یہ پکی حقیقت ہے کہ اگر ہم انکی طرف فرشتوں کو بھی نازل کرتے اور مرے ہوئے لوگ

انکے ساتھ باتیں کرنے لگ جاتے اور جہانوں کی ساری اشیاء انکے سامنے لاکر پیش بھی کریں جب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہ ہونگے الا ماشاء اللہ اگر کوئی اکا دکا ایمان لے آئے تو وہ اور بات ہے لیکن (ایسا مطالبہ کرنے والوں کی) اکثریت جہل میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی ہے، (خلاصہ ختم) میرے خیال میں اس آیت کریمہ میں معجزوں پر یقین رکھنے والوں کی ذہنیت کو قرآن حکیم نے ایسا تو الٹراساؤنڈ کر دیا ہے، جو معجزوں کی ضرورت اور اہمیت پر مزید کچھ لکھنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی، پھر بھی اس حقیقت کو مزید کھولنے کیلئے، معجزہ پرست لوگوں کو سمجھانے کیلئے، میں جو اپنی طرف سے کوئی نوٹ لکھوں، اس سے تو اچھا ہوگا کہ اللہ کی پناہ میں آتے ہوئے ان ری ایکشنری خبطیوں کی واویلا کے جواب میں قرآن ہی کو پیش کریں جو انکی مزاجوں کو بھاتا ہی نہیں ہے لیکن کیا کریں کہ ہمارے ہاں بھی قرآن کی فلاسفی کے مقابلہ میں آتش پرستوں کی شکست خوردہ امام مافیا کے قرآن دشمن توہم پرست علوم کی بھی کوئی عقلی حیثیت نہیں ہے سوا ایسے جاہلانہ روایت پرستوں کی معجزہ پرستی والی ذہنیت پر قرآن حکیم کی فائرنگ کا ملاحظہ فرمائیں، وقالو الـن نـومـن لك حتـی تـفـجـر لنامن الارض ینبوعا او تکون لك جنة من نخیل و عنب فتـفـجـر الانھار تـفـجـیـرا۔ او تسـقـط السماء کمازعمت علینا کسفا او تاتی بااللہ والـمـلائکة قبیلا۔ اویکون لك بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیك حتـی تـنـزل علینا کتابا، خلاصہ (قرآن کو مفصل ہونے کے بجائے مبہم اور تصریف آیات کے ذریعے تفہیم قرآن کے منکروں اور کافروں نے) کہا کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائینگے اجب تک تو زمین کو چیر کر اس سے ہمارے لئے چشمے نہیں جاری کرتا۔ یا تو تیرے پاس کھجوروں اور انگوروں کے باغات ہوں جنکے بیچ میں نہریں کھلتی ہوں۔ یا جیسے کہ آپکا زعم ہے کہ (تسقط علیھم کسفا من السماء) آسمان کی کھال ہٹائی جائیگی تو گراؤ آسمان کے پردوں کو۔ یا اللہ اور اسکے ملائکوں کو سامنے لاکر پیش کرو۔ یا تو تیرے محلات ہوں سونے سے بنے ہوئے یا تو تیرے لئے آسمانوں میں چڑھ کر جانے کی کوئی سیڑھیاں اور لفٹیں ہوں۔ اور تیری اسطرح سیڑھیوں اور لفٹوں پر چڑھ کر جانے کی

بات کو بھی قبول نہیں کرینگے جب تک وہاں سے کوئی بنا بنایا کتاب نہ لے آئے جسے ہم پڑھ کر دیکھیں، (جناب قارئین! دیکھا آپنے ان قرآن دشمنوں کی فرمائشوں کو جو رسول اللہ کو آرڈر دیتے ہیں کہ آپکو جب مانینگے جب آپ آسمانوں پر معراج کر کے آئیں اور وہان سے کتاب لے آئیں اس آیت میں ہے کہ رسول اللہ نے اپنے زمانے کے قرآن دشمنوں کے آسمان پر چڑھ کر جانے کا مطالبہ کرنے والوں کے جواب میں فرمایا کہ میں تو بشر انسان رسول ہوں میں کسطرح آسمان پر چڑھ سکوں گا، لیکن زمانہ رسالت کے بعد جس دور میں فن حدیث سازی ایجاد کیا جارہا تھا اس دور کے کاریگروں نے اس آیت کی بھی پرواہ نہیں کی کہ انسان آسمان کو عبور کر کے ملاء اعلیٰ تک نہیں جاسکتا، اور ٹھک سے کئی ساری حدیثیں بناڈالیں کہ رسول اللہ وہاں تک اوپر گئے جس جگہ جبریل بھی نہ جاسکا اور اللہ سے ملاقات کے لئے نشانی اور ثبوت کے لئے۔ پچاس میں سے پینتالیس کم پانچ نمازیں تو ہماری تسکین موروثی کیلئے لے آئے سیڑھی کے ذریعے اسمانوں پر نہیں چڑھے تو کیا ہوا برق کی سواری پر تشریف لے گئے تو اللہ عز و جل نے ایسی جملہ فرمائشون کا جواب بتانے کیلئے رسول اللہ کو قرآنی حدیث سکھائی کہ قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا۔ یعنی کہدے اے میرے رسول! کہ (تمہاری ایسی خرافاتی فرمائشوں سے) میری پرورش کرنے والے رب کی ذات پاک ہے تمہارے فرمائشیں مجھ سے تو پوری نہیں ہونگی اسلئے کہ میں ایک انسان اور بشر رسول ہوں، یعنی آسمان پر اگر جس جگہ جبریل جیسا رسول فرشتہ نہیں جاسکتا تو میں بشر رسول کیسے جاسکتا ہوں، اس آیت کے جواب کا مطلب ہے کہ مطالبات ایسے ہونے چاہییں جو کم سے کم انسانوں کے کرنے جیسے تو ہوں، محترم قارئین! اللہ نے قرآن کو احسن الحدیث کتاب کہکر نازل کیا ہے (۳۹-۳۲) یعنی حسین ترین حدیثوں والی کتاب کی یہ آیت (۱۷-۹۴) بھی ایک قرآنی حدیث ہے جو اللہ کی اپنے رسول کو پڑھائی اور سکھائی ہوئی حدیث ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود بڑی عجب کی بات ہے افسوس کی بات ہے جو امت مسلمہ کے عالم نما جاہل لوگ قرآنی حدیث کے مقابلہ میں اہل فارس کے آتش پرستوں کی حدیث ساز مافیا کی بنائی ہوئی معراج نامی جھوٹی قرآن

مخالف حدیثوں پر اعتبار کئے ہوئے ہیں اس معاملہ میں اللہ جل وعلیٰ کے ریمارکس کو بھی قرآن سے معلوم نہیں کر رہے جو وہ معجزات کے مطالبات کرنے والے لوگوں کو لایعلمون (۲-۱۱۸) سے متعارف کرارہا ہے یعنی انجان اور جاہل اور سورۃ انعام میں ان ہی معجزات کے شائقین کو اللہ نے بتایا کہ ولكن اكثرهم يجهلون (۶-۱۱۱) یعنی انکی اکثریت جہل پھیلانے والی ہے جاہلانہ کلچر رائج کرنے والے ہیں، افسوس ہے کہ لوگوں کی، مولویوں کی، اللہ کی شان وعظمت اور بے پرواہی کی طرف توجہ کیوں نہیں جاتی، اسکی بارگاہ عالیہ میں ہم ملا مولویوں کی کیا مجال ہے، آؤ! اللہ کا انداز خطاب کائنات کے نہایت بڑے آدمی جناب محمد سلام علیہ سے تو ملاخطہ کرو، خطاب ہے کہ وان كان كبر عليك اعراضهم فان استطعت ان تبتغى نفقافى الارض اوسلما فى السماء فتاتيهم باية ولو شاء لجمعهم على الهدى فلاتكونن من الجاهلين ۔(۶-۳۵) جناب قارئین! قرآن کے خطاب والے الفاظ میں کیا تو استغنا اور جلال ہے کہ اے محمد! اگر لوگوں کا انہیں کوئی معجزہ نہ ملنے کی وجہ سے منہ موڑنا، تجھے بڑا بھاری محسوس ہوتا ہے (تو کوئی بات نہیں) اگر تو طاقت رکھتا ہے کسی معجزہ دکھانے کیلئے تو زمین میں کوئی سرنگ لگاؤ! یا آسمان پر چڑھنے کیلئے معجزہ دکھانے کیلئے سیڑہی کا نتظام کرو پھر نیچے سے یا اوپر سے انہیں کوئی آیت (نشانی اور معجزہ) لاکر دکھاؤ!، اے محمد! حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا قانون مشیت اگر چاہتا تو یہ لوگ ہدایت پر جمع ہوجاتے لیکن یہ لوگ میرے اس قانون کی تقاضوں پر پورے نہیں آرہے اسلئے قانون کے تقاضے مقدم ہیں فلاتكونن من الجاهلين (۶-۳۵) قانون کو باء پاس کرنا جاہلوں کا کام ہے معجزات نہ ملنے سے لوگوں کے منہ موڑ کر چلے جانے والوں کی پرواہ کرنا یہ جاہلانہ رویہ ہے آپ انمیں سے نہ بنیں، لوگو! میں بار بار عرض کرتا ہوں کہ اس آیت میں قانون کو باء پاس کرنے پر اللہ کا اپنے رسول کے ساتھ قانون کی حفاظت کیلئے خطاب کے اندر جلال الٰہی کو تو غور سے سمجھو، فلاتکونن من الجاھلین، محمد تو کتنا بھی بڑا آدمی ہے، لیکن اللہ کا قانون سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

معجزہ مانگنے والوں کو کہو کہ اگر تمہیں معجزہ دیا گیا تو تم

راکھ ہوجاؤگے۔

وقالو الولا انزل علیه ملك ولو انزلنا ملکا لقضی الامرثم لاینظرون (۸-٦) (خلاصہ) لوگ سوال کرتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے؟ اگر سچا رسول ہوتا تو اسکا ٹھاٹھ بنانے کیلئے کوئی ملائک باڈی گارڈ ساتھ ہوتا وغیرہ، اللہ نے جواب میں فرمایا کہ اگر ہم رسول کے ساتھ کوئی ملائک اردلی بنا کر بھیجتے تو کم سے کم تمہیں تو راکھ کا ڈھیر کر دیتا اتنا آنافانا جو تمہیں مہلت ہی نہ ملتی آنکھ جھپک میں تمہاری تو حیاتی ٹھپ ہوجاتی، محترم قارئین! اس آیت کریمہ میں معجزہ کے مطالبہ کا جو جواب قرآن حکیم نے دیا ہے اس سے معجزہ کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے جو یہ ہے کہ اللہ کی ایسی آیت، اللہ کی ایسی نشانی خاص کر کے رسول اللہ کی حفاظت کہ اللہ والا ملائک، سواگر بفحواء قرآن اگر وہ ملائک رسول اللہ کا باڈی گارڈ بنایا جاتا تو وہ ملائک تو دشمنان رسول کا کچومر نکال دیتا، معجزہ کی معنی عاجز بنانے والی چیز سو اللہ تو دشمنوں کیلئے ایک اجل مقرر کئے ہوئے ہے اس اجل اور میعاد تک انہین انکے کاروہنوار میں خودمختار رکھنا ہے آزاد رکھنا ہے، انکو معطل یا مجبور نہیں بنانا، اسلئے کہ کہیں وہ اللہ کے سامنے یوم حساب میں عذر نہ کریں کہ اگر ہمیں مہلت مل جاتی قرآن اور رسول کی دعوت سمجھنے کیلئے موقعہ مل جاتا تو ہم ضرور ایمان لے آتے لیکن اے اللہ آپنے ہمیں مہلت نہیں دی تو اب عذاب کیوں دے رہا ہے؟ اسلئے سمجھنا چاہیے کہ معجزہ کی ہر پہلو والی معنی سے اللہ معجزہ کو اپنے شان مالک یوم الدین کے خلاف سمجھتے ہوئے کسی دور میں بھی کسی نبی کیلئے ان جبری اور عقل کو ماؤف آنکھوں کو خیرہ کرنے والے کرتبوں کو اللہ نے جاری نہیں کیا، لاگو نہیں کیا، پسند نہیں فرمایا میرے خیال میں اتنی گذارشات سے قارئین کے ذہنوں میں معجزہ کا مفہوم قرآن کی روشنی میں سمجھ شریف میں آگیا ہوگا، اب آگے ان واقعات سے متعلق گزارشات عرض کرتے ہیں جنہیں لوگوں نے مافوق الفطرت، خرق عادت معجزوں میں شمار کیا ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام اور اسکی قوم کو دریا پار کرانے کیلئے

قرآنی رہنمائی۔

جناب قارئین! اس داستان میں مسلم امت کے حدیث ساز گروہ کے استاد تورات کے شارحین کا گروہ، اللہ کے خوف سے نہ سہی لیکن اپنی علمی ریسرچ کی آنیسٹی سے اور حقائق کی بنیادوں پر کرامتوں اور معجزوں والی جڑتو معناؤں سے دست بردار ہو کر بحیر قلزم کی جغرافیائی مقامات کے مدوجزر کی کیفیات کی روشنی میں، اپنی پرانی روش والی غیر عقلی معجزاتی اکاذیب سے دست بردار ہو چکا ہے، اب قرآن کے انکشاف واعلان والی بات انکے تورات میں بھی موجود ہے قرآن نے جو فرمایا کہ ولقد اوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی فاضرب لھم طریقا فی البحر یبسا لاتخاف درکا ولاتخشی (۷۷-۲۰) یعنی ہم نے بذریعہ وحی موسیٰ کو حکم بھیجا کو سیر کراؤ میرے بندوں کو ایسی راہ کی طرف سے یہ سفر کرو جو بحر کے خشک حصہ سے وہ راستہ نکلتا ہے اور فرعون کے آپکو پہنچ جانے کا کوئی خوف نہ کرنا، ادھر توریت کے خروج والے حصہ باب ۱۴ میں ۲۱-۲۲ آیات میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ اللہ نے رات کے اندر تیز پوربی ہواؤں سے سمندر کو پیچھے ہٹا کر خشک بنا دیا جس سے وہ دو حصوں میں تقسیم ہوگیا اور بنی اسرائیل بیچ کے خشک راستہ سے دوسرے طرف جانکلے۔ میرے خیال میں قرآن کی آیت مذکورہ (۷۷-۲۰) کے ساتھ اگر سورت الدخان کی آیت نمبر ۲۴ کو ملا کر موسیٰ اور اسکی قوم کے دریا پار کرنے کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ قصہ ایک نارمل حقیقت آسان سادی حقیقت کی طرح آسان العمل آسان الوقوع عقلی اور فطری طریقوں والا سمجھ میں آئیگا اور اسمیں کوئی بھی غیر عقلی معجزاتی چھومنتر والی بات نظر نہیں آئیگی، فرمان ہے کہ فاسر بعبادی لیلا انکم متبعون واترك البحر رھوا انھم جند مغرقون (۲۴-۴۴) یعنی میرے بندوں کو رات کے وقت لے جانا، تمہارا پیچھا بھی کیا جائیگا (لیکن انکی پرواہ نہ کرنا ہم پیچھا کرنے والے لشکر کو غرق دریا کر چھوڑینگے، اور دریا کو وہاں سے کراس کرنا واترك البحر رھوا، جدھر سے سمندر کی مدوجزر والی اتار اور چڑھاؤ والی کیفیت کی وجہ سے تمہارے وہاں سے جاتے وقت ٹھراء مد اور سکون کا وقت ہوگا یعنی پانی اتر چکا ہوگا اور جس

وقت انہیں غلام بنانے والا فرعونی لشکر تمہارا پیچھا کرتے ہوئے اس دلدل میں گھسے گا تو اس دوران جوش اور جزر کی کیفیت آجائے گی جس سے وہ اپنے جملہ مارشل لا افسروں سمیت ڈوب جائے گا۔

جناب ان دو آیتوں میں سے پہلی آیت کے جملہ فاضرب لھم طریقا فی البحر یبسا، کی معنی میں کوئی بھی خرق عادت غیر عقلی تکلفات والا مفہوم نہیں ہے، لفظ ضرب کی مشہور معنی تو مارنا ہے لیکن قرآن حکیم نے اس لفظ کو کئی ساری معناؤں کے لئے استعمال کیا ہے، انہیں کے کچھ مثال قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، ایک ہے الم ترکیف ضرب اللہ مثلا کلمة طیبة کشجرة طیبة ۔(۲۴-۱۴) یعنی کیا آپ نہیں جانتے کہ کسطرح تو اللہ نے بیان فرمایا کلمہ کی مثال کا۔۔۔۔اس مقام پر ضرب کی معنی بیان کرنا ہوئی دوسرے مقام کو ملاحظہ فرمائیں یا ایھا الناس ضرب مثلا فاستمعوا له (۷۳-۱۴) یعنی اے لوگو بیان کیا جاتا ہے ایک مثال پھر اسے سنو۔۔۔اس مقام پر بھی ضرب کی معنی بیان کرنا ہوئی ایک اور مقام پر آیا ہے کہ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن (۳۱-۲۴) یعنی عورتیں اپنی اپنی اوڑھنیاں اپنی چھاتیوں پر لپیٹ لیں۔۔۔اس جگہ یضربن کی معنی لپیٹنا کی گئی، ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں و آخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ (۲۰-۷۳) یعنی دوسرے گروہ والے سفر کرتے ہیں زمین میں اللہ کے فضل کی تلاش میں۔۔۔۔ یہاں ضرب کی معنی سفر کرنا ہوئی، اب آیت (۲۴-۴۴) میں جو فرمان ہے کہ واترك البحر رھوا، یعنی رھوا کے مقام سے سمندر کو کراس کرنا پار کرنا، تو لفظ الرھو کی معنی ہے کہ چلتے وقت آدمی کے دو پاؤں کو جتنا بھی زیادہ سے زیادہ پھیلا کر قدم آگے بڑھایا جائے تو ایسے وقت میں دو قدموں کے درمیانی فاصلہ کو رھوا کہا جاتا ہے جسکو سندھی زبان میں برانگھ کہا جاتا ہے، اس سے مطلب یہ بھی بنتا ہے کہ آپ جب سمندر میں رھوا کے مقام سے گذرینگے کراس کرینگے، اگر اس راستہ میں پانی کی کوئی نالیاں ہوئی بھی سہی تو وہ اتنی چوڑی نہیں ہونگی ان پر سے تو ہلکے چھلانگ سے بھی آدمی عبور کر کے پار ہوسکتا ہے، اب اس بات کو امریکن جیوز پبلیکیشن سوسائٹی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر لائسر سمین کے اعلان کہ بنی اسرائیل نے سمندر کو عبور نہیں

کیا تھا بلکہ جناب موسی علیہ السلام اپنی قوم کو جس جگہ سے لے گئے تھے وہاں دلدل قسم کی ریتیلی زمین تھی انمیں نباتات بھی اگنے لگیں تھیں وہیں سے پار گیا تھا۔ یہ انکشاف امریکن یہودیوں کے شائع کردہ ترجمہ تورات ۱۹۶۲ء میں انہوں نے لکھی ہے،، اس سلسلہ کی یعنی عبور دریا کی دوسری آیت قرآن حکیم میں آئی کہ، فاضرب لھم طریقا فی البحر یبسا یعنی اے موسیٰ! سفر کر سمندر کا راستہ ڈھونڈنے کیلیے سوکھے حصہ سے، اب پورے قرآن میں موسی اور اسکی قوم کو دریا پار کرانے کی آیات میں یہ ثابت ہوا کہ ایک یہ کہ دریا کے سوکھے حصہ سے پار جانا دوسرا وترك البحر رھوا (۲۴-۴۴) یعنی دریا کے سکون کے وقت جب اسکی لہروں کا پانی مدوجزر کے معمول کے دوران نیچے چلا گیا ہوا اور اکا دکا کسی تنگ سی نالی میں ہو تو ہو جو ہلکے چھلانگ سے بھی عبور کیا جاسکے وہاں سے گذر کرنا تیسری آیت ہے کہ واذفرقنا بکم البحر فانجینا کم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون (۵۰-۲) اسکی معنی ہے کہ جب ہم نے تفریق کی سمندر کے موجوں میں جومد اور جزر کے وقت موسی اور انکی قوم کو پار کیا اور موجوں کے جوش اور چڑھائی کے وقت فرعون اور اسکی آل کو ڈبو دیا دوسری معنی فرقنا کی کہ دونوں گروہوں کے درمیان میں بحر بطور فرق تھا ایک گروہ ایک کنارے دوسرا گروہ دسرے کنارے پانچویں آیت میں کہ واوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی انتم متبعون (۵۲-۲۶) یعنی وحی کی ہم نے موسی کو کہ لے جا میرے بندوں کو تمہارا پیچھا کیا جانے والا ہے۔

اور آیت چھٹی نمبر (۶۳-۲۶) میں ہے کہ فاوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاك البحر فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم ۔یعنی وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ سفر کر اپنے (ایک معنی) لاٹھی کے ساتھ (دوسری معنی) سفر کر سمجھائی ہوئی فہم وبصیرت کے ساتھ دریاء کا، بحر کا، (جو فہم تجھے بذریعہ وحی عطا کیا گیا ہے (۲۴-۴۴)(۷۷-۲۰) اس سفر میں جب موسیٰ بحر کے دوسرے کنارے اپنی قوم کو لیکر پہنچا تو فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت پہلے کنارے پر آ کر پہنچا تو قرآن نے اس صورتحال کو فانفلق کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے فلق کی معنی ہے پھٹ جانا چیر کر ایک چیز

سے دوحصے ہوجانا تو، اس قصہ میں پہلے آقا فرعون ال فرعون اور غلام قوم بنی اسرائیل ایک تھے
اب کی صورتحال میں اللہ جل شانہ بتارہا ہے کہ وہ ایک جم غفیر اب فانفلق پھٹ کر اور انقلابی تعلیم
سے چیر کر دوحصوں میں بٹ گیا ہے، ایک حصہ بحر کے ایک کنارے پر ہے دوسرا حصہ دوسرا
کنارے، ایک فریق کل کا غلام آج کا آزاد، دوسرا کل کا آقا آج کا مجرم، اب اس کیفیت کو بھی
قرآن فاتحانہ انداز میں غلاموں کے آزاد ہونے کی غمازی سے آقاؤں کے مقابلہ میں مزید طنز کر
تے ہوئے غلاموں کی برابری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ فکان کل فرق کا
لطود العظیم پھر یہ انکے دونوں گروہ دونوں فریق ایک بڑے جمے ہوئے پہاڑ کی طرح نظر آنے
لگے، محترم قارئین اصل مسئلہ تو آیت (۷۷-۲۰) میں جملہ واضرب لھم طریقافی البحر
یبسا، یعنی انکو بحر کے خشک راستہ سے سفر کرانا، اور دوسری آیت (۲۴-۴۴) میں واترك البحر
رھوا یعنی دریا کو اسکے سکون کے عرصہ میں ہی جوش اور جزر کے آنے سے پہلے کراس کرادینا۔ ان
دونوں آیتوں کی وضاحتوں کے بعد کسی بھی مشہور قسم کی جعلی معجزوں والی معنی کسی بھی آیت سے
ثابت نہیں ہوتی اور جہاں تک اگر یہ بات کہی جائے کہ بحر کے پانی کو لاٹھی سے چیرنے والا معجزہ علم
حدیث سے ملا ہے تو ہماری عرض ہے کہ ایسی خلاف قرآن احادیث جناب رسول اللہ کی فرمائی ہوئی
نہ ہوں تو پھر دوسرے حدیث ساز لوگوں کا تو دھندا ہی قرآن حکیم کو خلاف عقل اعجوبہ کے طور پر پیش
کرنا ہے اور اسمیں بھی مقاصد قرآن کو پامال کرنا انکا مقصد ہے، ان یہود ونصاریٰ اور اہل مجوس
کے اتحادِ ثلاثہ نے جو رائج الوقت علم حدیث ایجاد کیا ہے اسکا تو مقصد ہی قرآن کی تردید کرنا ہے
اور انکے علم روایات نے تو مسلم امت کو اب صرف نام کا مسلم رہنے دیا ہے اور جو مسلم لوگ دین
اسلام سے باغی بنے ہیں ان تک تو صرف حدیثوں والا اسلام پہنچا ہے جبھی تو وہ اسلام سے بیزار
ہو رہے ہیں، قرآن والے اسلام کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہوں پر ہاؤس اریسٹ ہے لاک
اپ میں ہے اگر قارئین حضرات میری ان گذارشوں کو غلط سمجھتے ہوں تو لیجئے ابھی کے ابھی
حدیثوں والے اسلام کو ملاحظہ فرمائیں! جناب عالیٰ قرآن حکیم کی آیت وجاوزنا ببنی اسرائیل

البحر فاتبعھم فرعون وجنوده بغیا وعدوا، حتی اذا ادرکه الغرق قال امنت انه لااله
الاالذی امنت به بنواسرائیل وانامن المسلمین۔ (۹۰-۱۰) یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر
کراس کرایا تو فرعون اور اسکے لشکر والوں نے انکا پیچھا کیا، بغاوت اور عداوت کی نیت سے پھر
جب وہ ڈوبنے کی حالت کو پہنچا تو کہنے لگا ایمان لاتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اس ذات
کے جس پر کہ بنی اسرائیل جس پر ایمان لائی ہے اور اب میں اسے ماننے والوں میں سے
ہوں، شاید اسی آیت کے حوالہ سے منصور حلاج یا صوفیا کے کسی اور خانوادے نے لکھ مارا ہے کہ
فرعون جنت میں جائیگا، بہرحال قرآن فرماتا ہے کہ دربار ایزدی سے فرعون کو جواب دیا گیا کہ
آلئن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین (۹۱-۱۰) یعنی ابھی ابھی تو، تو بنی اسرائیل کو
دوبارہ غلامی میں جکڑنے کیلئے آیا ہے اب اپنی غرقابی کو دیکھ کر بڑا پارسا بن گیا ہے کہ میں بنی
اسرائیل والے اللہ پر ایمان لاتا ہوں، جاؤ تم مفسدوں میں سے ہو تمہارے لئے تو اولائك لھم
اللعنة ولھم سوء الدار (۲۵-۱۳) پھٹکار ہے مفسدوں پر اور براٹھکانا ہے انکا محترم قارئین! اس
آیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے آپ تفسیر ابن کثیر میں اسی مقام پر اسنے ایک حدیث لائی ہے،
اسے بھی پڑھ کر دیکھیں جو یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب مجھے اس واقعہ کی خبر جبرئیل علیہ السلام
بتارہا تھا تو ’’بولا کہ کاش جو آپ اس وقت موجود ہوتے اور دیکھتے کہ میں فرعون کے منہ میں کس
طرح مٹی ڈال رہا تھا کہ کہیں اسکی استغفار پر اللہ اسے بخش نہ دے،، اب اس حدیث کو
آیت (۹۱-۱۰) کو پڑھنے کے بعد فوراً پڑھیں پھر یہ بھی سوچیں کہ جبرئیل صاحب کا ذہن اس
حدیث سے تو ایسا لگ رہا ہے کہ اسکو اللہ پر اعتماد نہیں ہے کہ وہ مفسدین کو کوئی سزا دیگا اور وہ
سوچتا ہے کہ اللہ مفسدین کی منت سماجت سے انہیں معاف کردیگا، جبکہ خود جبرئیل نے
آیت (۹۱-۱۰) حضور تک پہنچائی بھی ہے اسکے باوجود بھی اللہ پر مفسدین کیلئے نرم گوشہ رکھنے کا
اندیشہ دکھا رہا ہے، اور جبرئیل کے اس قصہ سے خود آیت کریمہ میں اللہ کے فرعون سے متعلق
مفسد ہونے اور اسے مفسد قرار دینے کے فیصلہ اور نظریہ میں یہ والی حدیث شک ڈال رہی ہے یہ

حدیث قرآن کا اور اللہ کے بتائے ہوئے فرعون سے متعلق نظریہ (۹۱-۱۰) کا رد کر رہی ہے، اب
کوئی بتائے کہ علم حدیث قرآن کا کسطرح کی تفسیر کر رہا ہے، اور کیا آیت (۹۱-۱۰) والا اللہ
کا فرعون کیلئے فیصلہ یہ جبرئیل کو راضی کرنے کیلئے اسکی منشأ کو دیکھ کر کیا گیا ہے؟ اور اگر جبرئیل
فرعون کے منہ میں مٹی نہ ڈالتا تو کیا اللہ فرعون کی گڑگڑاہٹ پر اسے بخش دیتا؟!!! اور آیت
(۹۱-۱۰) جھوٹی قرار دی جاتی، یا اللہ کا اپنے لئے یہ دائمی اصول اور فیصلہ کہ ما یبدل القول
لدیّ (۲۹-۵۰) میرے فیصلے بدلا نہیں کرتے، یہ آیت بھی اس حدیث سے جھوٹی ہو جاتی۔

محترم قارئین! اگر قرآن کو سمجھنے کے بعد علم حدیث کو پڑھا جائیگا تو یہ حقیقت پڑھنے والوں پر
کھل کر واضح ہو جائیگی کہ علم حدیث خاص اس خاطر وضع کیا گیا ہے کہ اسکے ذریعے قرآن کی فلاسفی
کا رد کیا جائے، یہاں تک جناب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب سمندر کو بیچ میں سے لاٹھی
مار کر راستہ لے لینے والے معجزہ نامی مغلوطہ کی تشریح ختم کی جاتی ہے۔

جناب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب معجزہ کہ اسنے پتھر کو لاٹھی مار کر پانی کے بارہ چشمے نکالے

جناب قارئین! اس معجزہ نامی واقعہ کا ماخذ قرآن حکیم کی دو عدد آیتوں کو قرار دیا گیا ہے،
لازم بنتا ہے کہ پہلے وہ دو آیتیں لکھ کر انکا ترجمہ اور مفہوم پیش کیا جائے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی
کا پانی ہو جائے، پہلی آیت، واذا استسقیٰ موسیٰ لقومه فقلنا اضرب بعصاك الحجر
فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا قد علم كل اناس مشربهم (۶۰-۲) دوسرے مقام پر یہی
بات اسطرح لائی گئی ہے کہ وقطعنا هم اثنتي عشرة اسباطا امما واوحينا الى موسى اذ
استسقاه قومه ان اضرب بعصاك الحجر فانبجست منه اثنتا عشرة عينا قد علم كل
اناس مشربهم وظللنا عليهم الغمام وانزلنا عليهم المن والسلوىٰ كلوا من طيبات
مارزقناكم وماظلمونا ولكن كانوا انفسهم يظلمون۔ (۱۶۰-۷) ان دو آیتوں میں یہ
جملہ مشترک ہے کہ جب پانی کی طلب کی موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے یا ہم نے مدد کی جب موسیٰ کی

اسوقت جب اس سے پانی کی طلب کی اسکی قوم نے آگے حکم وحی کی عبارت دونوں جگہ ایک ہے
اضرب بعصاك الحجر اس مقام پر ان لفظوں ضرب اور عصا کی معنوں کو انکی اپنی درست معنیٰ
ومفہوم میں سمجھنے کی ضرورت ہے آپ! آیت یا ايها الذين آمنوا اذا ضربتم في سبيل الله
(۹۴-۴) میں ضربتم کی معنیٰ سفر کرنا اللہ کی زمین میں پڑھ چکے ہو، یہی واذا ضربوا في الارض
او كانوا غزى لو كانوا عندنا ماماتوا وماقتلوا (۱۵۶-۳) اس آیت میں بھی ضربو فی
الارض سفر کرنے کی معنیٰ میں ضرب کا لفظ استعمال ہوا ہے مزید واذا ضربتم في الارض
فاصابتكم مصيبة الموت (۱۰۶-۵) اس آیت کریمہ میں بھی ضرب بمعنی سفر کرنے کے
آیا ہے۔ اسکے لفظ عصاء کی اصل معنیٰ ہے اجتماعیت اور مل جل کر اکٹھا ہو کر کوئی کام کرنا ہے،
جسطرح سمندر کو پار کرنے کیلئے موسیٰ کو حکم دیا گیا کہ فاوحینا الی موسی ان اضرب بعصاك
البحر یعنی سفر کر اپنی جماعت کے ساتھ اپنی جمعیت کے ساتھ، سفر کر اجتماعی صورت میں سمندر کا،
(۶۳-۲۶) لاٹھی کو عربی زبان میں عصا کا نام بھی اسلیے دیا گیا ہے کہ اسکو پکڑنے کیلئے انگلیوں کو
مجتمع کرنا پڑتا ہے اکٹھے کرنا پڑتا ہے انگلیوں کی اجتماعیت اور اکٹھے کر کے پکڑنے کے بغیر لاٹھی کو
اٹھایا نہیں جاسکتا کام میں نہیں لایا جاسکتا، اسلئے لاٹھی کو عصا کا نام دینے میں جمعیت اجتماعیت کا
جسطرح تصور لازم ہے تو حکم قرآن کہ اضرب بعصاک الحجر کی معنیٰ یہ بنی کہ اجتماعی جمعیت کے
ساتھ زیر زمین پہاڑیوں تک کھدائی کرو، بحرحال یہاں عصا کی معنیٰ ہوئی اجتماعی قوت، اب اسکے
ساتھ اضرب کی معنیٰ سفر کرنا اور مارنا یہ ایک ساتھ ان دونوں آیتوں میں معنے مراد لئے جائینگے، سفر
کرنے سے مراد زیر زمین پہاڑیوں کی جستجو ہے مارنے والی معنیٰ کا یہ مطلب ہوگا کہ زمین کی کھدائی
کرنی ہے اس کیلئے آلات کے مارنے اور استعمال کرنے کے بعد زیرزمی پہاڑیوں تک پہنچا
جاسکے گا، کیونکہ بالآخر یہودیوں کے بارہ قبیلوں کی تعداد کے برابر پانی کے چشمے تلاش کر کے
دستیاب کرنے تھے اسلئے کہ یہودی قوم بھی سندھی قوم کی طرح واحیات ہے جنہیں ایک ساتھ
اجتماعی شیرازہ بندی سے رہنا گوارہ نہیں ہوتا ان دونوں میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا

سلیقہ نہیں ہے سندھ کے قومی شاعر استاد بخاری نے نظم کہی ہے کہ یہ لوگ جلادوں کو پیسے دیکر ایک
دوسرے کو مرواتے ہیں اسلئے ان دونوں قوموں پر ذلت اور مسکنة کا عذاب مسلط ہے، بہر حال
ہر قبیلہ کیلئے پانی کے چشموں کا جدا جدا انتظام لازمی تھا جو کہ ضرب اور عصا کے لفظوں میں اجتماعی
جدوجہد اور جستجو کی جو مفہوم اور معنائیں پنہاں ہیں یہ ہدف ان معانی والی مساعی سے پورا ہو سکا
ہے، میں نہایت شرمسار ہوں کہ قرآن کی اجتماعیت اور معاشی مساوات والی فلاسفی کو دنیا والوں کو
نہیں سمجھا سکا ہوں، جناب قارئین! فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا ۲/۶۰ یہ زیر زمین پتھروں سے بارہ
عدد چشمے نکالنا کوئی چھومنتر کا کرشمہ نہیں ہے اسکے لئے جو جدوجہد کرنی پڑی ہے اسکی ساری تفصیل
لفظ ضرب اور عصا کی معنی ومفہوم میں پنہاں ہے لیکن اس قوم کو جن دشمنان انقلاب نے جدوجہد
والے مزاج سے ہٹا کر کم چور سہل پسند کراماتی قوم بنادیا ہے یہ قوم قرآن کے حکم یا ایها الذین آمنو
انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم
تفلحون ۹۰/۵ کی فلاسفی کو نہیں سمجھ پائی جن احکام میں اللہ نے بغیر محنت والے مفت خوری کے
جملہ ہتھکنڈوں کو حرام قرار دیا ہے اور یہی فلاسفی ہے سود کو حرام قرار دینے کی کہ اپنی محنت کو سب کچھ
سمجھو اور سود خوری سے محنتوں کا استحصال نہ کرو جو معاشرے استحصالی حربوں سے لوٹ مار کرینگے
ایسی قوموں کے اندر جب محنت کرنیوالوں کو قوت لایموت سے بڑھکر کچھ نہیں ملیگا ایسی قومیں
غلام ہو جائینگی، بکاؤ مال ہو جائینگی، ایسی قومیں اپنی موروثی دھرتیوں پر رہتے ہوئے بھی سامراج
کی غلامی میں جکڑی ہوئی ہونگی، سو قرآن کے اندر جدوجہد کے عوض جابجا کراماتی اور معجزاتی
معناؤں کا مراد لینا یہ انقلاب دشمن قرآن مخالف سامراج کے لے پالک تنخواہ خور دانشوروں، کو جو
شروع اسلام میں امامت کے نام سے امت مسلمہ کے اندر فٹ کرائے ہوئے تھے یہ سب انکی
ملاؤں علمی تلبیسات اور دھوکہ دہی کے شاخسانے ہیں جو ہم بھگت رہے ہیں، اب قرآن فہمی کیلئے
اللہ کے بتائے ہوئے اصول ولقد صرفنا في هذا القرآن ليذكروا (۱۷-۴۱) یعنی قرآن کے
سمجھائے ہوئے احکام اور مسائل کو پورے قرآن میں متفرق طور پر پھیلایا ہوا ہے انہیں آپ لوگ

آپسمیں مذاکرات کے ذریعہ آپکو پیش آمدہ حاجات کے حل کیلئے ان سے رہنمائی حاصل کریں،
محترم قارئین! میں چیلنج کے ساتھ دعوی کرتا ہوں کہ مذہب اسلام میں مشہور مروج جملہ امامی
مذاہب کے مسلکی کتابوں کو کھول کھول کر پڑہیں کہیں بھی آپ انکی یہ سفارش اور ہدایت نہیں دکھا
سکینگے جس میں ان اماموں نے قرآن فہمی کیلئے قرآن کی سمجھائی ہوئی تصریف آیات والی ٹکنالاجی
سے قرآن کو سمجھنے کیلئے سفارش کی ہو، تو حکم قرآن اضرب بعصاك الحجر سے دونوں مقامات پر
معنی زیر زمین پتھریلے علاقوں میں کھدائی کے آلات کے ذریعہ پانی نکالنا ہے، مجھے زیارت،
لورالائی، پشین، چمن، گلستان کے علاقوں کے رہنے والوں نے بتایا کہ ہم اپنے پتھریلے علاقہ
میں زیر زمین چار چار سے پانچ پانچ سو چھ چھ سو فٹ کی ڈرلنگ اور بور کرنے کے بعد پانی حاصل
کر سکتے ہیں تو صحراء سینا جس جگہ جناب موسی علیہ السلام نے اپنی قوم کو لاکر بسایا تھا انکی زمینی قسم
قندھار چمن اور زیارت کے صحراؤں سے کچھ تو مماثل ہے چار سو نہ سہی ایک سو فوٹ کھدائی کی
ہوگی، اگر معجزہ پرستوں کے خیال کے مطابق ان آیات (۷-۱۶۰) میں لفظ عصا کی معنی لکڑی والی
لاٹھی مراد لی جائیگی تو ایسی ہزاروں لاٹھیاں موسی علیہ السلام پتھر پر پوری عمر مارتا رہتا تو پھر بھی اس
سے پانی نکال نہ سکتا، افسوس یہ ہے کہ قرآن حکیم پڑھتے وقت اسپر غور نہیں کیا جاتا، اس واقعہ کو معجزہ
بنانے والوں نے فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا، یعنی پھر پھوٹ پڑے پتھریلی زمین سے
بارہ چشمے، اسے مشہور اسطرح کیا ہے کہ موسی نے ایک پتھر کو لاٹھی ماری تو اس ایک پتھر سے بارہ
چشمے پھوٹ کر نکلے، جناب قارئین! آپنے سورۃ اعراف میں پڑھا ہے کہ وقطعنا هم اثنتی
عشر اسباطا امما (۷-۱۲۰) یعنی ہمنے ان بنی اسرائیل کو بارہ عدد نسلی قبیلوں میں بانٹا ہوا تھا، تو
قرآن حکیم کا یہ بتانا کہ ہمنے جب اضرب بعصاك الحجر کا حکم دیا تو اس سے بارہ چشمے پانی کے
پھوٹ نکلے سو اگر یہ معجزہ ایک ہی مقام پر ایک پتھر کو لاٹھی مارنے سے بارہ چشمے پھوٹتے ہیں تو اس
ایک مقام پر ایک ساتھ بارہ قبیلوں کے ڈھور ڈھنگر پانی کیسے پی سکینگے اور چوپایوں کی ضرورت
کے علاوہ پانی کی دیگر ضروریات ایک ہی جگہ کے بارہ چشموں سے ان بارہ قبیلوں کے لاکھوں افراد

کسطرح اور کہاں سماسکینگے۔ قرآن حکیم کے ان الفاظ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ قد علم کل اناس مشربھم، یعنی سب لوگون نے اپنے اپنے مشرب والے چشموں کو پہچان لیا تھا جناب قارئین اگر ایک پتھر سے بارہ چشموں والے معجزہ کو آپ صحیح مانیگے تو پھر ایک پتھر کو ہم اگر چار پایوں کے برابر پلاٹ دیں تو اتنی سی جگہ کے پتھر سے نکلنے والے بارہ چشموں کیلئے قرآن کا یہ فرمانا کہ بارہ قبیلو کے جملہ لوگوں نے اپنے اپنے حصہ کے مشرب کو پہچان لیا تھا (۷-۱۶۰) تو یہ اللہ کی بارہ چشمے دینے کی عنایت تو فضول ثابت ہوئی، اسلیئے کہ اتنی سی محدود ٹکڑی میں چوپایوں اور بارہ نسلوں کے لاکھوں لوگون کا سماجانا محال ہے، قرآن کو سمجھ کر پڑھنے والے یہ حقیقت سمجھ سکتے ہیں کہ موسی بھی کوئی ایسا ویسا آدمی نہیں تھا اگر اسکے ہاتھوں اللہ نے ایک پتھر سے بارہ چشمے نکالدینے کا معجزہ دیا تو موسی کو تو پتہ تھا کو وہ جب ایک فرعونی کو مصر میں قتل خطا کے بعد سزا سے بچنے کیلئے جلاوطن ہو کر مدین میں آیا تھا، اور وہاں ایک گاؤں کے لوگوں کے چوپائے شہر کے کنویں پر پانی کیلئے سمانہیں سکتے تھے اور وہاں اس دن موسی نے دیکھا تھا کہ دو عورتیں جو اپنے چوپایوں کو پانی کی طرف آنے سے بار بار ہٹا رہی تھیں، اسلیئے کہ وہ کمزور تھیں اور دوسرے لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے اپنے ڈھنگروں کو پہلے پانی پلاتے تھے اور کمزور لڑکیوں کو باری ملنے میں شام ہو جاتی تھی، اور موسی اس دیہاتی کلچر میں آٹھ دس سال رہا بھی تھا تو ایک جگہ پر بارہ چشموں پر کیسے وہ راضی رہ سکتا تھا جب کہ قرآن پڑھے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ موسی انتھائی حساس نازک مزاج گڈ ایڈمنسٹریٹر تھا جو تھوڑی سی غیر قانونی بات اور بدنظمی پر چڑ جاتا تھا جو اپنے استاد سے بھی باز پرس کرنے شروع ہو جا تھا کہ یہ محنت کش غریب لوگون کی کشتی کے پھٹے کیوں توڑ رہے ہو؟، اور یہ بے قصور بے گناہ لڑکے کا قتل کیوں کر دیا؟ اور جس بستی کے لوگوں نے ہمیں بھوک سے روٹی نہیں کھلائی ایسے بے مروت لوگوں کے گھر کی گرتی ہوئی دیوار کو کیوں دوبارہ چنائی کر کے دے رہا ہے، یہ اس مزاج والا، نہایت ہی اعلیٰ قسم کا منتظم آدمی تو اللہ سے ضرور عرض کرتا کہ مجھے ایسے دوسرے گیارہ عدد معجزے اور عطا کر جو قبیلوں کی آبادی کے لحاظ سے میلوں کوسوں دور تک انکے لئے پتھروں کو لاٹھیاں مار مار کر چشمے

نکالوں، اس ایک جگہ کی تنگ اراضی کے بارہ چشموں پر وہ سمانہ سکینگے اور آپس میں لڑ مرینگے، محترم قارئین! میں اس مضمون کے اختتام کے وقت آپکی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ خلاف قرآن جو امامی علوم مخالفین انقلاب رسالت نے روایت سازی اور انکے ماتحت قرآن کا تفسیر بالروایات اور فقہی مسالک ایجاد کیئے ہیں یہ سارے کے سارے قرآن کے علوم کو راستہ سے ہٹانے کیلئے کرامتوں اور معجزوں کی رشوتوں کی آڑ میں کیئے گئے ہیں، تا کہ لوگ معجزاتی فضائل کے خول میں بند رہیں اور قرآن کی عقل کیلئے ترقی دینے والی مہمیزوں سے فائدہ نہ اٹھا سکیں، آج پوری دنیا اور مغربی ممالک کی قوموں نے جو قرآن کے سکھائے ہوئے علوم عقلی سے ترقی کر کے الم تروا ان اللہ سخرلکم مافی السماوات ومافی الارض واسبغ علیکم نعمۃ ظاھرۃ و باطنہ (۳۱-۲۰) یعنی کیا تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمین کے مابین والی اشیاء کو تابع فرمایا ہے اور تمہارے اوپر اپنی کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی نعمتوں کو پلٹ دیا ہے یہ یورپ والے تسخیر کائنات کے قرآنی اھداف میں مسلم امت سے اسلیئے آگے اور پیش پیش ہیں جو انکے آباء واجداد اسپین کے مسلم علماء بنوامیہ کے شاگرد تھے جنکی درسگاہوں میں خالص قرآنی علوم کے نصاب اجتھاد پڑھائے جاتے تھے ان میں امامی علوم کی ایک پرسنٹ بھی ملاوٹ نہیں تھی علماء بنوامیہ کے ہاں قرآن کے علوم پڑھنے والوں کیلئے مسلم ہونا شرط نہیں تھا جسطرح امامی علوم نے قرآن کا راستہ روکنے کیلئے عباسی خلافت کی درسگاہوں میں ایسی حدیثیں بنا رکھی تھیں کہ قرآن غیر مسلموں کے ملکوں میں بھی ساتھ نہ لے جایا کرو، اور بغیر وضوء کے قرآن کو ھاتھ نہ لگاؤ اور ان حدیثوں والی کتابیں آج تک مسلم امت کے درسگاہوں میں شامل نصاب ہیں امت کی نسلیں ایسے امامی فیوضات سے علامہ بن رہی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آج ازمنہ وسطی کی صلیبی جنگوں کی شکست کا بدلہ لینے کیلئے دنیاء یورپ وامریکہ میں وہی عباسی دور کی ایجاد کردہ امامی علوم کی آبیاری اور سرپرستی کرنے کیلئے اپنی یونیورسٹیوں میں علم الروایات امامی فقہی مسالک اور تفسیر القرآن بالروایات خود پڑھا رہے ہیں، صرف اسلیئے کہ امت مسلمہ کہیں قرآن کی طرف واپس نہ

لوٹ جائے آج یورپی لوگوں میں تو کوئی پیری مریدی کا خانقاہی کلچر نہیں ہے اسلئے کہ انکے علمی وفکری استاد بنوامیہ کے انٹی امامی اسکالر تھے، اور امت مسلمہ نے قرآن چھوڑ کر امامی علوم کی رہنمائی میں خانقاهی دنیا بسالی ہے۔

ٹڈی دل، مکڑیین، مینڈك خون کی آزمائش

قوم فرعون میں فارسلنا علیهم الطوفان والجرادو والقمل والضفادع والدم آیات مفصلات فاستکبروا و کانوا قوما مجرمین ۔(۷-۱۳۳) یعنی انکے اوپر ہمارے قانون نے طوفان لایا ٹڈی دل لایا کیڑے انکے کھیتوں میں آئے مینڈکیں آئیں مریض کھیتوں کے مریض غلہ سے انکو خرابی خون کی بیماری لگ گئی یہ کھلی ہوئی نشانین اسلئے آئیں کہ قوم فرعون کے اندر غرور تکبر آگیا جس سے انکا پورا معاشرہ جرائم پیشہ ہوگیا، جب کسی قوم کی ایسی ذہنیت بنجاتی ہے تو انکی تباہی کیلئے کسی بھی کرامت معجزہ اور چھومنتر کی ضرورت نہیں ہوتی قوم فرعون پر یہ مصائب موسی کے معجزون میں سے نہیں تھے انکی علت قرآن نے خود بتائی ہے کہ معجزوں کے تصور کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ فلما کشفنا عنهم الرجز الی اجل هم بالغوه اذاهم ینکثون(۷-۱۳۵) یعنی جب ہمارا قانون انکی ان مصیبتوں سے انکو کچھ ڈھیل دیتا تھا جن تک یہ لوگ اپنے افعال بد سے پہنچنے والے ہوتے تھے تو پھر اچانک یہ لوگ بدعہدی کردیتے تو، اس آیت میں صاف طریقے سے قرآن نے سمجھایا کہ یہ اس رجز تک اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچنے والے ہوتے تھے معنی یہ ہوئی موسی کی کوئی بددعا یا معجزہ انکے کھیتوں میں گھروں میں مینڈکیں اور کیڑے نہیں ڈالتا تھا لیکن انکے غرور کی وجہ سے جب یہ لوگ چھوٹی چھوٹی انتظامی ضرورتوں کی طرف نہیں دیکھتے تھے تو وہ چھوٹی چیزیں چلتے چلتے بڑی بنجاتی ہیں یہ دائمی اصول ہے آج تک ہر جگہ ایسے ہو رہا ہے جو اگر آپ اپنے گھروں، شہروں، کھیتوں میں جراثیم کش ادویات کا استعمال نہیں کرین گے تو بیماریاں بڑھینگی جراثیم بڑے ہو کر قمل اور ضفادع تک بنجائینگے، اب تک کی گذارشات سے عصاء موسی کا مفھوم واضح ہو چکا ہے جسکو اگر سمجھ میں نہیں آیا تو ایسا آدمی میدان عمل کا آدمی نہیں ہوسکتا وہ صرف خانقاهی

دنیا میں کام چور اور مینٹل کیس آدمی ہوگا۔

موسی کا یدبیضا

جناب قارئین! قرآن فہمی کیلئے تصریف آیات کے ہنر کو عمل میں لانے کی بڑی ضرورت ہے اللہ جل وعلیٰ جب موسیٰ کو اطلاع دیتا ہے کہ یا موسیٰ انی انا ربك فاخلع نعلیك موسی خبردار تو اب اپنے پالنے والے کے سامنے کھڑا ہے یعنی میں تیرا رب ہوں فاخلع نعلیك باادب باملاحظہ، اپنے جوتے اتار کر احتراما ہمہ تن گوش ہو جاؤ انك بالواد المقدس طوی، تو ایک ایسی مقدس وادی میں کھڑا ہے جو وادی طوی ہے لفظ طوی کی معنی ہے کہ جو چیز محیط ہو بہت ہی وسیع وعریض چیزوں کو یعنی انقلابات عالم کے جملہ علوم کو اسکو آپ سورۃ الزمر کے جملہ والسماوات مطویات بیمینه (۳۹-۶۷) سے سمجھ سکینگے، یعنی والارض جمیعا قبضته یوم القیامة زمین کے قبضہ کے ساتھ ساتھ سارے آسمان اللہ کے یمین میں لپٹے ہوئے ہونگے، اب کوئی سوچے کہ آسمانوں کے جملہ تفصیلات جملہ آسمان دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہونگے، تو اگر موسی سے جو سوال کیا گیا کہ وما تلک بیمینک یا موسیٰ یعنی تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اس سوال کا جو جواب عصای سے دیا گیا تو عصاء موسی کی اگر تفصیل کھولی جائے تو زار شاہی کا تختہ الٹنے کیلئے جولینن کے دائیں ہاتھ میں مارکس کا داس کیپٹال تھا تو، فرعون کا تخت الٹنے کے لئے موسی کو جو نو نکاتی منشور دیا گیا تھا کہ وادخل یدك فی جیبك تخرج بیضاء من غیر سوء فی تسع آیات الی فرعون وقومه انهم كانو اقوما فاسقین ۔(۲۷-۱۴) یعنی اے موسی اپنی ید میں فلسفہ آزادی کا نو نکاتی منشوری علم کو اپنی آستین اپنے واسکٹ یا کوٹ کے جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے بڑے وقار کے ساتھ محفوظ رکھ، اسکو جب مقابلہ کے وقت آپنے نکالنا ہے تو یہ تسع آیات والا نو نکاتی منشور ایسا تو صاف ستھرا اور نکھرا ہوا کھل کر سامنے آیگا جو یہ تو فرعون اور اسکی فاسق قوم کو راہ دکھانے کیلئے مقدس وادی طوی سے جب یہ ید بیضا یہ نو نکاتی منشور کھولے گا تو فرعون کے عالم دانشور باتوں کو بتنگڑ بنانے والے مناظرہ باز جو اپنی لفاظیوں کے جادو سے اہل مجلس والونکو ایسا تو مسمرائیز کرنے والے

ہیں جو سننے والوں کو جیسے کو سانپ سونگھ گیا ہو، لیکن موسی پرواہ نہ کرنا تیرے نو نکاتی منشور میں فلسفہ عصا اور ید بیضا والے بینات اور دلائل ایسے تو ہیں جو فذانك برھانان من ربك الی فرعون وملائه انهم كانوا قوما فاسقين۔ (۲۸-۳۲) یہ دونوں مرکزی دلیل فرعون اور اسکے نواب رئیس سرداروں قارون ھامان کے مولوی سب کیلئے کافی ہیں اے موسی الق عصاک جب تیری عصا اور ید بیضا کے جلوے دشمن کے سامنے آئینگے تو فالقی السحرة سجدا۔ (۲۰-۷۰) پھر انکے عالم فاضل شعلہ بیان ساحر، سب تجھے سلوٹ کرینگے جناب قارئین! موسیٰ کو اللہ کی طرف سے سمجھایا ہوا انقلاب لانے کا علم جو موسیٰ کے لئے عصا بن گیا تھا وہ علم سکھانے کے بعد اب اللہ موسی کا امتحان لے تے ہوے سوال کرتا ہے کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسیٰ؟ وہ علم اللہ کی جانب سے تھا جو اللہ کا علم کہ کیا ہوا تھا کیا ہو رہا ہے کیا ہوگا کا جاننے والا ہے سو اس بنا پر کہ جب محمد رسول اللہ دنیا کی غلام ساز بادشاہتوں کے خلاف انقلاب لیس الانسان الا ما سعیٰ کا انقلاب لائے گا (۳۹-۵۳) یعنی جو کمائے وہ صرف اتنے ہی کا مالک ہے یہ بھی محمد رسول اللہ کا عصاء اور ید بیضا ہے، تو اسکے انقلاب کو سبوتاژ کرنے والا امامی گروہ قرآنی عصاء محمدی اور بینات والے منشور قرآن کو معجزوں سے تعبیر کر کے لوگوں کا انقلابی معاشی مساوات والے اینٹی امپریلزم فکر سے رخ موڑنے کے حملے کرینگے، تو انکے منہ کو بند کرنے کیلئے اللہ نے موسی کے مقابل اور مخالف فرعون کے ٹکڑوں پر پلنے والے سحر بیان علاموں سے شاہدی دلوائی جب انہوں موسی کے نو نکاتی منشور کے اصول سنے تو وتھر تھرا گئے، قرآن کہتا ہے کہ فالقی السحرة سجدا قالوا امنا برب ھارون و موسی سرکاری جادو بیان قسم والے عالم موسی کے نو نکاتی منشور کو اپنے علوم کے مقابلہ میں ثعبان مبین ایک اژدھا سمجھکر حقیقی اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور سچائی کیساتھ موسی کے پیروکار ہو گئے فرعون نے بڑی دھمکیاں دیں کہ تمہیں الٹا لٹکا کر کھال اتار دونگا، اگر تم باز نہیں آئے تو، لیکن انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ فاقض ما انت قاض، تیرے باپ کو بھی چھٹی ہے جو کرنا ہے کر گزر لن نوثرك على ما جائنا من البينات (۲۰-۷۲) یعنی تجھے تو اب ہم کچھ بھی

نہیں سمجھتے کہ تیری حیثیت ہی کیا ہے ان حقائق کے مقابلہ میں جو ماجائنا من البینات عصاء موسی ید بیضا کے دلائل اور بینات جو ہم سمجھے ہیں اے فرعون انما تقضی هذه الحيوة الدنيا اس دنیا کی حیاتی تو آنی جانی چیز ہے، انا آمنا بربنا، آج سے لیکر تو ہمارا رب نہیں تو بکواس کرتا تھا کہ انا ربکم الاعلی (۷۹-۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، ہم موسی کے انقلابی منشور سننے کے بعد اب اپنے حقیقی رب پر ایمان لے آئے ہیں، موسی کا ید بیضا بڑے آب وتاب سے ہمنے دیکھا جسکی وارننگ تھی کہ ہم نبیوں کی مشن ہی یہ ہے اور ہمارے انقلاب لانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ لتجزی کل نفس بما تسعی (۲۰-۱۵) آئندہ انقلاب کے کامیاب ہونے کے بعد کسی کی محنت کا استحصال نہیں ہونے دیا جائیگا ہر شخص کو اسکے سعی اور محنت کا پورا پورا صلہ دیا جائیگا، آئندہ لوٹ کھسوٹ بند، استحصال بند، جو کمائے وہی کھائے، پرائی کمائیوں پر عیاشیاں کرنا بند، جناب قارئین! قرآن کو اللہ نے ہمارے محاوروں میں نازل فرمایا ہے (۵۱-۳۲) ہم ہی کسی شعلہ بیان مقرر کے لئے کہتے ہیں کہ فلاں صاحب کی تقریر میں جادو تھا، فلاں شخص جادو بیان قسم کا واعظ ہے فلاں مناظر نے فلاں عالم نے جب اپنی باری پر تقریر کی تو مخالفون نے ایسی چپ سادہ لی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو، سو قرآنی انقلاب والے دشمنوں نے اس اسلوب بیان کے استعارات کے استعمال کو اپنی غلط اغراض کیلئے انبیاء کو موسی کو معجزوں کے نام سے جادوگر اور سپیرا بنا دیا سو محترم قارئین! آپنے آیت (۲۰-۷۲) میں ملاحظہ فرمایا کہ اللہ نے خود فرعون کے جادوگر عالموں سے شاہدی دلوادی کہ موسی کی عصا اور ید بیضاء یہ بینات ہیں یہ کھلے ہوئے علمی اور فکری دلائل ہیں یہ وادی مقدس طوی سے ملا ہوا منشور ہے لکڑی کی لاٹھی اور ہاتھ میں بلب کے مثل روشنی نہیں ہے یہ علم ہے بادشاہت کا تخت الٹنے کا اور غلاموں کو آزادی دلانے کا، (یہانتک جناب موسی علیہ السلام سے منسوب نام نہاد معجزوں کا بحث پورا ہوتا ہے)

سیدنا خاتم الانبیاء علیہ السلام کی طرف منسوب معجزات

شق القمر

امام بخاری نے اپنی کتاب التفسیر کے اندر ایک عنوان لکھا ہے اقتربت الساعت کے نام سے اسپر باب کا لفظ نہیں لکھا ہے البت اسکو ۸۲۸ کا نمبر دیا ہے اسکے ذیل میں شروع کی چار حدیثوں میں چاند کے دوٹکڑے ہونے کا ذکر لایا ہے پہلی حدیث میں ہے کہ انشق القمر علی عھد رسول ﷺ فرقتین فرقة فوق الجبل وفرقة دونه فقال رسول الله اشهدو ا یعنی رسول اللہ کے زمانہ میں چاند دو حصوں میں ہو گیا تھا ایک حصہ جبل کے اوپر اور ایک حصہ اسکے علاوہ پھر رسول اللہ نے فرمایا کو دیکھو، دوسری حدیث میں ہے کہ انشق القمر ونحن مع النبی ﷺ فصار فرقتن فقال لنا اشهد وا اشهد وا یعنی راوی کہتا ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ تھے تو چاند دوٹکڑے ہو گیا پھر رسول اللہ نے فرمایا کہ دیکھو دیکھو، تیسری حدیث میں ہے کہ انشق القمر فی زمان النبی ﷺ یعنی نبی علیہ السلام کے زمانہ میں چاند ٹکڑے ہوا تھا جناب قارئین! ان حدیثوں پر جو ٹیکنیکل اعتراضات ہیں ان سب کو چھوڑتے ہوئے صرف انکے خلاف قرآن ہونے پر مختصر گفتگو کرتے ہیں مزید بس۔ سورۃ حم السجدہ میں فرمایا ہے کہ وزينا السماء الدنيا بمصابيح و حفظا ذالك تقدير العزيز العليم (۱۲-۱۴) یعنی دنیا والے آسمان کو ہمنے مصابیح سے مزین کیا ہے اور اسکے ان روشن کرہ جات کی جو ٹریفک ہے اس سے بھی اور یہ محافظ بھی ہے کسی بھی چیز کو آپس میں ٹکرانے اور ٹوٹنے نہیں دیتا جو ان کروں کے اندر ایکسیڈنٹ نہ ہونے پائے نیچے گرنے نہ پائے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ آسمانوں سے دم دار ستاروں اور سماوی پتھروں یعنی شہاب ثاقب کی بارش ہوتی ہے اگر یہ نیچے زمین پر گر جائیں تو بڑی تباہی اور ھلاکت کا باعث بنجائیں لیکن اللہ نے خلاؤں میں ہوا کی گرینڈر مشینوں کا انتظام کیا ہوا ہے جو اوپر کے کروں کی کوئی بھی چیز یا انکا حصہ نیچے زمین پر نہیں آسکتا راستہ میں تحلیل ہو جاتا ہے اور سورۃ حجر میں فرمایا کہ ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزيناها للناظرين۔ وحفظنا هامن كل شيطان رجيم (۱۶/۴۱-۱۷) یعنی

آسمان میں ہمنے ایسے بروج (مورچے) فٹ کئے ہوئے ہیں جنسے ایک طرف تو دیکھنے والوں کیلئے آسمان مزین لگتا ہے دوسری طرف ان مورچوں یعنی بروج سے آسمان کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تخریبی قوتوں سے۔ جناب قارئین! جن حدیث ساز اماموں نے چاند کے دوٹکڑے کرکے ایک کو مکہ کے پہاڑوں پر اتارا ہے دوسرے ٹکڑے کو گم دکھایا ہے انہوں نے یا تو امت مسلمہ کو جاہل سمجھ کر یہ حدیث بنائی ہے یا خود جاھل تھے اس بات سے کہ زمین کے مقابلہ میں چاند والے کرہ کا عرض وطول کتنا ہے اور شمس وقمر کیلئے جو اللہ نے فرمایا ہے کہ وهو الذی خلق الليل والنهار والشمس، والقمر كل فی فلك يسبحون (۳۳-۲۱) یعنی سورج اور چاند کھکشائں کے مدار میں چکر کاٹ رہے ہیں، امام لوگوں کو خبر نہیں کہ کتنا اور کس قسم کا علم تھا حقیقت یہ ہے کہ مدار میں کروں کے چکروں کا جو حساب ہے اس میں اگر توازن کے لحاظ سے کوئی ایک کرہ بھی ذرہ برابر بھی اپنے روٹ سے گر کر مکہ کی پہاڑیوں پر معجزہ دکھانے کیلئے آجائے تو اللہ کی قرآن کی یہ آیت جھوٹی بنجائیگی کہ وسع كرسيه السماوات والارض ولايؤده حفظهما وهو العلی العظيم (۲۵۵-۲) یعنی اللہ کا کنٹرول اور اقتدار آسمانوں اور زمیں پر محیط ہے انکی حفاظت اللہ کو ہرگز نہیں تھکاتی وہ بلند وبالا ہے سو کسی کرہ کے اوپر نیچے ہونے سے ہماری دنیا تباہ ہو جاتی، مطلب کہ امام مافیاان معجزوں والی روایت سازی میں ایک طرف جناب رسول اللہ کی غلط قسم کی تعریفیں کرکے ہمیں بیوقوف بناتے ہیں دوسری طرف اللہ کے سارے نظام کائنات کو ایک قسم کا بچوں کا کھیل کرکے پیش کرتے ہیں جس کے لئے اللہ پاک بار بار چیلنج کرتا ہے کہ فارجع البصر هل ترى من فطور (۳-۶۷) بار بار آنکھیں لوٹا کر دیکھ میرے سماوی طبقوں کے طبقاتی زینت والی سیٹنگ کو کیا انکی تخلیق میں کوئی تفاوت تجھے نظر آتا ہے، محترم قارئین! ان حدیث سازوں نے ایک طرف کروڑوں کلومیٹروں سے بھی زیادہ وسیع وعریض کرہ چاند کو معجزہ سازی کی حدیث بنانے والوں نے ایک طرف اپنی جگہ سے ہٹایا ہے دوسری طرف اسکو کاٹ کر دوٹکڑے کرنے کا انکے پاس کوئی آرہ مشین والا لمبا چوڑا کرٹ بھی تھا جو اس سے انہوں نے چاند کو چیرا بھی ہے، جبکہ خود جنوں کا

بیان ہے کہ وانا المسنا السماء فوجدنا ھا ملئت حرسا شدید او شھبا(۷-۲-۷۲) کہ
ہمنے آسمان کا معائنہ کیا ہے جواب وہ پہرے دینے والوں سے بڑے پیمانے پر بھرا ہوا ہے، اور
وہاں جانے والوں پر شھاب ثاقب سے گولہ باری ہوتی ہے، اب ان حدیث سازوں سے کون
پوچھے کہ پہلے بتاؤ کہ آسمان پر تم پہنچے کیسے پھر چاند والا کرہ جو کڑوڑوں میل لمبے چوڑے فاصلہ پر
محیط ہے اسکو تمنے کاٹا کیسے؟ اس دوران اللہ کے حفاظتی انتظامات کہاں گم ہو گئے تھے، انکی شق قمر
والی حدیثوں سے خود جناب رسول اللہ علیہ السلام کے علمیت کی ہلکا پن ثابت ہوتی ہے اور جناب
رسول اللہ علیہ السلام کی شخصیت باعث تضحیک ہو جاتی ہے کیونکہ حدیثوں کی عبارتوں سے چاند کی
ناپ تول تو جیسے کہ حلوے کے پلیٹ کے برابر محسوس ہوتی ہے، ان حدیث ساز اماموں نے جناب
رسول اللہ کے نام کی ایسی حدیثیں بنا کر دنیا والوں کے سامنے ایک طرح سے توہین رسالت کی ہے
توہین رسول کی ہے، توہین رسالت اسطرح کہ نفس معجزہ قرآن کے اصول ہدایت کے خلاف ہے
اصول ہدایت کیا ہیں یہ بات قرآن نے اسطرح سمجھائی ہے کہ ان الذین لایؤمنون بآیات اللہ
لا یھدیھم اللہ ولھم عذاب الیم (۱۶-۱۰۴) یعنی ہدایت صرف ان لوگوں کو ملے گی جو اللہ کی
آیات پر ایمان لاتے ہونگے، اگر معجزات سے کسی کو ہدایت ملتی ہوتی تو اللہ کی آیات پر ایمان
لاتے ہونگے، اگر معجزات سے کسی کو ہدایت ملتی ہوتی تو اللہ عزوجل اپنے رسول کو یوں نہ فرماتے کہ
انك لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین (۲۸-۵۶)
یعنی آپ جسکو چاہیں اسکو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن ہدایت صرف ان لوگوں کو ملے گی جسکو اللہ کا
قانون مشیت پاس کریگا کیوں کہ اللہ کو ایسے لوگوں کا حال معلوم ہے جن کے دلوں میں ہدایت
حاصل کرنے کا خلوص اور جستجو ہے، یہ دلوں سے تعلق رکھنے والی بات ہے، اے رسول اس اندر کی
چاہت کو صرف اللہ جانتا ہے، دیکھا جناب قارئین! اس ماجرا سے یہ ثابت ہوا کہ ہدایت معجزوں
سے نہیں ملا کرتی، امام بخاری نے جو یہ جھوٹی چار حدیثیں سورۃ قمر کے تفسیر میں اپنے کتاب کے اندر
لائی ہیں تو قمر کے تفسیر کے لئے ان حدیثوں میں تو قمر کے ٹکڑے کرنے کی بات آئی کیا یہ ایسی

حدیثیں بھی قرآن کا کوئی تفسیر بن سکتی ہیں، علم حدیث کو قمر کا تفسیر کرنا تھا تو والقمر قدرناہ منازل
حتی عاد کالعرجون القدیم جیسا تفسیر کرتا، علم حدیث کو قمر کا تفسیر کرنا تھا تو یسئلونك عن
الاھلہ قل ھی مواقیت للناس والحج کی طرح کا تفسیر کر کے دکھاتا جو کہ اس بات کو میں نے
اپنی کتاب کیا علم حدیث قرآن کا تفسیر ہو سکتا ہے؟ میں بھی لایا ہے سو یہ موضوع چونکہ معجزات سے
متعلق ہے تو گذارش یہ ہے کہ اللہ جل شانہ اگر لوگوں کو زور سے طاقت سے غلبہ سے اپنی الوہیاتی
قوت سے جبر سے کسی کو ہدایت دینے کا قائل ہوتا یا اسے روا سمجھتا تو یہ ہرگز نہ فرماتا کہ أنلزمکموھا وانتم لھا کارھون (۱۱-۲۷) یعنی تم تو ھدایت لینے سے کراہت کرتے رہو اور ہم
تمہیں وہ زور سے چمٹاتے رہیں، میرے خیال میں خالص عقل رکھنے والوں کے لئے معجزوں سے
متعلق گذارشات کافی آچکی ہیں رہتا ہے یہ سوال کہ پھر سورۃ قمر میں فرمان ربی کہ اقتربت
الساعۃ وانشق القمر کی معنی کیا ہے تو جناب عالی جیسے کہ عربوں کی حکومت کے جھنڈے کا نشان
اسکے کپڑے میں چاند پرنٹ کیا ہوتا تھا تو اللہ جل شانہ انہیں وارننگ دے رہا ہے کہ وہ انقلاب کی
گھڑی بہت قریب ہے ابھی تمہارا سیاسی شان و شوکت والا چاند کے نشان کا جھنڈا اگلی گلی میں روندا
جائے گا وقت ہے سنبھل جاؤ! یہ ہے اسکی معنی، جناب قارئین! میں اخیر میں معجزہ سازی کا اصل
پسمنظر خدمت میں عرض کردوں کہ اسلامی انقلاب کی دشمن حدیث ساز امام مافیا جو کہ یھود مجوس
اور نصاریٰ کے اتحاد ثلاثہ کی معجون مرکب تھی انہوں نے یہ تو سمجھا ہوا تھا کہ جب قرآن کا محافظ اللہ
ہے اسوجہ سے قرآن کے متن اور ٹکسٹ کو تو دنیا سے ختم نہیں کر سکتے اسلئے کیوں نہ دنیا بھر میں سیاسی
انقلابات کے اس مرکزی کتاب کے مفہوم کو سیاسی دھاروں سے موڑ کر اسے رہبانی راہوں کا
چھو منتر والا دعا تعویذ کا کتاب بنا دیں تا کہ کوئی اس کتاب کے ذریعے دنیا کے لٹیروں کے تخت
گرانے اور تاج اچھالنے کا کام نہ لے سکے جس کام کیلئے یہ کتاب اللہ نے انسانوں کی طرف
نازل کی ہے، شق قمر کو معجزہ بنانے والوں کا رد یہاں تک ختم کرتے ہیں۔

معراج نامی معجزہ

جو منسوب کیا ہواہے جناب محمد علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف

جناب قارئین! جسطرح کہ ہم اس موضوع سے متعلق شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ پورے قرآن حکیم میں اللہ جل شانہ نے اپنے لئے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ ہم کسی کو عاجز اور مجبور بنا کر اس سے اپنی بات منواتے ہیں چہ جائیکہ اللہ اسکی طاقت بھی رکھتا ہے، اور جبکہ قرآن حکیم میں اللہ نے متعدد بار انقلاب دشمنوں کو وارننگ بھی دی ہے کہ تمہارے اندر اتنا دم نہیں ہے جو تم الوہیاتی اسکیموں کو معطل اور عاجز کر دو مطلب کہ لفظ معجزین کا قرآن میں متعدد بار استعمال بھی کیا گیا ہے جو کہ مخالفین کے حوالہ سے ہے کہ تم عاجز نہیں بنا سکتے لیکن اللہ نے اپنی طرف عاجز بنانے اور معجز کرنے کی نسبت کہیں بھی نہیں کی سو معراج نامی معجزہ کی جو علم حدیث سے تفصیل اور تشریح ملی ہے جسکا تعلق قرآن حکیم سے ایک پرسنٹ کا بھی نہیں ہے یعنی قرآن حکیم میں کہیں بھی ایک بار بھی اس معراج کا لفظ معراج تک بھی استعمال نہیں ہوا، اور جن اسکیموں فیصلوں منصوبوں کی تکمیل کا ذکر عروج کی معنی کے لحاظ سے سورۃ معارج اور السجدہ میں ہوا ہے انکیلئے قرآن نے بتایا کہ وہ ایک ہزار سال سے لیکر پچاس ہزار سالوں کے عرصہ میں اللہ کے سامنے عروج پذیر ہوتی ہیں (۵-۳۲) (۴-۷۰) لوگوں نے جو سورۃ بنی اسرائیل میں ذکر کردہ سفر سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایاتنا انہ ھو السمیع البصیر (۱-۱۷) یہ سفر یہ سیر کوئی نارمل قسم کا تو نہیں لگ رہا یہ رات کا سفر جناب رسول اللہ کو علم الحدیث کے تفاصیل والا تو حدیثوں کے اندر بتائے ہوئے تفاصل سے فٹ نہیں لگتا کیونکہ جناب رسول اللہ نے جو احوال بتائے ہیں وہ اتنے سارے ہیں جو ایک دن کے وقت روشنی ہوں تو ہوں رات کے اندھیرے میں اتنی جملہ چیزیں آدمی مشکل سے دیکھ سکتا ہے چلو اتنا مانتے ہیں کہ رات کے وقت جنت کے سیر کے وقت وہاں شاید بجلی کا انتظام ہوتو ہو، جھنم کے سیر کے وقت وہاں

تو یقیناً لائیٹ نہیں ہوگی، تو حدیثوں میں دوزخ کے بتائے ہوئے احوال آدمی اتنا کچھ بغیر لائیٹ کے تو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ چاند کی ۲۷ تاریخ کو تو شدید اندھیرا ہوتا ہے اگر یہ معراج دن کے وقت میں کیا ہوا ہوتا پھر تو اسپر کچھ غور کیا جاسکتا تھا، مزید برآں اتنی مسافت والا معراج پھر اسمیں بیت المقدس والی مسجد ان دنوں کبھی کی مٹ چکی تھی اتنی جو اسکے آثار قدیمہ بھی باقی نہیں تھے مطلب کہ معراج کے بتائے ہوئے دنوں سے تقریباً چھ سات سو سال پہلے وہاں کوئی مسجد تھی سو اسکے تو جملہ آثار مٹ چکے تھے سوا لاکھ انبیاء کی جماعت کے نماز پڑہنے کے لائق ہی نہیں رہی ہوگی اور نہ ہی وہاں حدیث کے بتائے ہوئے احوال کے مطابق رسول اللہ نے انبیاء کو نماز پڑہائی ہوگی کیونکہ خود حدیثوں نے بتایا ہے کہ یہ نماز رسول اللہ کو معراج کے موقعہ پر ملی ہے تو اس نام اقصی والی مسجد میں کس طرح نماز پڑہائی ہوگی جو اتنے تک انہوں نے سیکھی بھی نہیں تھی رسول ابھی تک اوپر معراج کو گئے ہی نہیں تو نماز رسول نے سیکھی کہاں سے اور دیکھی کہاں جو جھٹ سے پھر انبیاء کو اسکی امامت بھی کرادی، جبکہ علم حدیث نے یہ بتایا ہے کہ معراج کے بعد جبریل نے پانچ وقتوں کے جدا جدا پھیرے دیکر رسول کو نماز پڑہنی سکھائی ہے جبکہ یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ نماز اور چیز ہے اور صلوۃ اور چیز ہے اور علم حدیث والوں نے معراج کا جو سال بتایا ہے یعنی نبوت ملنے کے انداز آٹھ سال بعد معراج کا سال بتایا گیا ہے تو اتنے تک قریباً قریباً قرآن حکیم آدھے تک نازل ہو چکا ہے اور ان جملہ مکی سورتوں میں قدم قدم پر جا بجا احکام اقیمو الصلوۃ کے دئے گئے ہیں پھر اسوقت معراج سے پہلے اقیمو الصلوۃ کی معنی کیا ہوا کرتی تھی بہر حال اسوقت میرے سامنے علم حدیث کی کتاب بخاری موجود ہے اسمیں ہے کہ فرج عن سقف بیتی وانا بمکہ فنزل جبریل علیہ السلام، یعنی میں مکہ میں اپنے گھر کے اندر موجود تھا تو میرے گھر کی چھت پھاڑ کر جبریل وہاں سے نازل ہوا، جناب قارئین! کوئی بتائے کہ رسول اللہ کے ساتھ اتنی زیادتی کیونکہ جو اس کے گھر کی چھت اکھیڑی جائے جبکہ اللہ نے قرآن حکیم میں حکم دے رکھا ہے کہ واتو البیوت من ابوابھا (۱۸۹-۲) گھروں میں انکے بنائے ہوئے دروازوں سے آیا کرو، کوئی بتائے کہ یہ جبریل صاحب جو قرآن

مجید خود نبی علیہ السلام پر لے آتا ہے تو خود اسکے احکام کے الٹ خود رسول اللہ کے گھر میں جاتے
وقت اسکی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر یہ تو گھروں میں آنے کے آداب جب قرآن میں لکھے
ہوئے بھی ہیں تاہم بھی جبریل انکی خلاف ورزی کرتا ہے قرآن کی ہدایت پر عمل نہیں کرتا تو جس
نماز کے تفاصیل قرآن میں لکھ کر نہیں دئے گئے تو ایسی نماز کو معراج کے بعد جب رسول اللہ کو
سکھانے آتا تھا تو کیا گارنٹی ہے کہ اسنے وہ اللہ کے حکم کے مطابق سکھائی ہوگی جس حکم کا کہیں ثبوت
بھی نہیں ہے سو جو شخص لکھے ہوئے حکم کی انحرافی کر رہا ہے تو نہ لکھے ہوئے حکم کے ساتھ اسنے کیا تو
حشر کیا ہوگا، محترم قارئین! اس بات کو یہاں بریک دیتے ہیں یہ سب حدیثیں بنانے والونکے
جھوٹ ہیں جبریل نہایت بڑی محترم ہستی ہیں، اللہ نے اسے نزل بہ الروح الامین (۱۹۳-۲۶)
کے لقب سے نوازا ہے، وہ رسول کے گھر جاتے وقت خلاف حکم قرآن راستہ نہیں اختیار کر سکتا
حدیث میں آگے لکھا ہے کہ ففرج صدری ثم غسلہ بماء زمزم ثم جاء بطشت من ذھب
ممتلیء حکمۃ و ایمانا فافرغہ فی صدری ثم اطبقہ یعنی جبریل نے میرے گھر کے کمرے
کی چھت پھاڑنے کے بعد نیچے آکر میرے سینے کو چھیدا اسے کھولکر پھر اسکو زمزم کے پانی سے
دھویا پھر ایک سونے کا طشت حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا لایا جسے اندر فٹ کر دیا، محترم قارئین!
غور کیا جائے کہ کیا تو بے عقلی کی باتیں حدیث معراج میں لکھی گئی ہیں جس رسول نے سات آٹھ
سال مکہ کے قریشوں کے جبل جیسے سرداروں سے جنگ لڑی ہے مقابلے کئے ہیں انکی اقتدار والی
اسٹیٹ میں رہکر قرآن پیش کیا ہے اب سات آٹھ سال کے عرصہ کے بعد اسکے سینے میں ایمان اور
حکمت بھری جا رہی ہے اور دل کو دھویا جا رہا ہے جیسے زمزم کا پانی اس سے پہلے رسول اللہ نے دیکھا
ہی نہیں تھا وہ اسکے لئے کوئی نئی چیز تھی زخم تو آج بھی زمزم کے پانی کے ہوتے ہوئے بھی مکہ
المکرم کی اسپتالوں میں ڈٹول اور اسپریٹ سے صاف کرتے اور سکھاتے ہیں آج بھی کوئی شخص
زخموں کو زمزم کا پانی لگائے گا تو زخم کچے ہو جائینگے، حدیث بنانے والے امت مسلمہ کو بیوقوف
بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو انہوں نے جیسے کہ معراج کا معجزہ لوگوں سے منوالیا ہے امت

مسلمہ کے عقل سے پیدل لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ حکمت اور ایمان کوئی برتن میں لانے اور
رکھنے والی چیز نہیں ہے جناب قارئین! حکمۃ کیلئے تو اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ ذالك مما
اوحی الیك ربك من الحكمة (۳۹-۱۷) یہ علم حکمت تو تجھے اے رسول علم وحی کے ذخیرہ سے
دیا گیا ہے، حدیث بنانے والوں نے مجھ جیسے جاھل مولویوں کو بیوقوف بنایا ہے کہ حکمت کوئی
سونے کے برتن میں ملنے والی چیز ہے یہ علم حدیث گھڑنے والے اپنے ہنر سے لوگوں کے ذہنوں
میں بات بٹھانا چاہتے ہیں کہ حکمت قرآن سے باہر کی کوئی چیز ہے، سو سونے کے برتن کا ذکر کر کے
مولویوں کا ذہن قرآن کے اعلان یاسین والقرآن الحکیم سے ہٹانا چاہتے ہیں، ذہنوں کو قرآن سے
ہٹانا چاہتے ہیں، انہوں نے یہ نظریہ مشہور کیا ہوا ہے کہ حکمت قرآن سے باہر کی کوئی چیز ہے جناب
قارئین! غور فرمائیں فن حدیث سازی میں قدم قدم پر قرآن سے دشمنی کے تصورات کو ذہنوں میں
سیٹ کرتے جا رہے ہیں، انہوں نے تو ایمان کو بھی اس حدیث کے اندر سونے کے برتن میں ڈالکر
جناب رسول اللہ کے سینے میں بھی نبوت دینے کے سات آٹھ سال بعد میں رکھتے ہوئے دکھایا ہے
غور تو کیا جائے اس حدیث کے بنانے والے امام زہری کی زہریلی حدیثوں پر، کیا اس سونے کے
برتن اور زمزم کے پانی کی آڑ میں جناب رسول اللہ کی توہین نہیں کی جا رہی!!! یہ حدیث ساز امام
لوگ امت مسلمہ کو، قرآن کو سمجھ کر پڑھنے سے روکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، ورنہ قرآن تو بانگ
دھل اعلان کر رہا ہے کہ ایمان ملنے کی جگہ سونے کا برتن نہیں ہے ایمان حاصل کرنا ہے تو سن لو
واذا تلیت علیھم آیاته زادتھم ایمانا و علی ربھم یتو کلون (۲-۸) یعنی مومنوں پر جب
اللہ کی آیات تلاوت کی جائینگی تو یہ آیات انکے ایمان کو بڑھائینگی، اور یہ مومن لوگ ایمان کی دولت
ملنے سے ہر مسئلہ میں اللہ پر اعتماد کرنے والے ہونگے، اب کچھ غور کیا جائے اس حدیث کو اور اس
آیت قرآن کو تقابل میں رکھتے ہوئے دیکھیں کہ حدیثیں کہاں لے جا رہی ہیں اور قرآن کہاں
لے جانا چاہتا ہے محترم قارئین یہ حدیث بڑی لمبی ہے اسمیں لکھا ہے کہ جبریل رسول اللہ کو اوپر لے
گئے پہلے آسمان کے گیٹ پر کنڈا کھڑکایا وہاں کچھ ضروری پوچھ گچھ کی گئی دروازہ کھولا گیا تو دیکھا

کہ ایک آدمی بیٹھا ہے اسکے دائیں طرف مخلوق ہے بائیں طرف بھی خلوق دائیں طرف دیکھتا ہے
تو خوش ہوتا ہے بائیں طرف دیکھتا ہے تو دکھی ہوتا ہے مجھے دیکھ کر کہا کہ مرحبا اے نبی صالح مرحبا
اے بیٹا صالح جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو بتایا کہ یہ آدم ہے، پھر اسطرح آسمانوں، پر چڑھتے
گئے سب پر ایک ایک نبی سے ملاقات ہوئی جو یہ تھے ادریس موسی عیسیٰ ابراہیم علیہم السلام مشکواۃ
کی حدیث میں ھارون اور یحی کا بھی نام ہے محترم قارئین! ان حدیثوں کی جناب رسول اللہ کی
طرف جو نسبت کی گئی ہے یہ نسبت جھوٹی ہوتی ہے کیوں کہ اقوال رسول کی پہچان اور کسوٹی تو
قرآن ہے وہ اس طرح کہ جناب رسول کو اللہ نے حکم دیا ہوا ہے کہ وذکر بالقرآن من یخاف
وعید (۴۵-۵۰) یعنی قرآن سے ہی نصیحت اور مسائل دین سنایا کر سو معراج کی اس شہرہ آفاق
حدیث کو بھی ہمنے قرآن کی کسوٹی سے ملا کر دیکھنا ہے کہ یہ مچنگ حدیث کے شروع والوں جملوں
سے آپکی خدمت میں عرض کرتا آرہا ہوں اور آپنے دیکھا کہ اس حدیث کے سارے حصے خلاف
قرآن ثابت ہوتے ہوتے آرہے ہیں ابھی جو پارٹ آپنے ملاحظہ فرمایا کہ امام زہری پانچ عدد رسو
لوں کو اوپر آسمانوں پر لے گیا ہے سو آئیں اور یہ مسئلہ بھی قرآن سے معلوم کرتے ہیں قرآن
فرماتا ہے کہ منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرىٰ (۲۰-۵۵) یعنی
ہمنے اسی زمین سے آپکو پیدا کیا ہے اور اسی کے اندر آپکو لوٹائینگے اور اسی سے آپکو نکالینگے دوسری
بار، محترم قارئین! اب بتائیں کہ اس حدیث میں جو کئی سارے رسولوں کو اوپر لے جایا گیا ہے کوئی
بتائے کہ قرآن بھیجنے والے اللہ نے معاذ اللہ غلط بیانی کی یا حدیث بنانے والوں نے جھوٹ کہا،
محترم قارئین! اس حدیث کی کئی قسم کی روایات کئی اقسام پر متفاوت طریقوں سے کتابوں میں لائی
ہوئی ہیں میں صرف کتاب بخاری کے کتاب الصلوۃ کی پہلی حدیث جسکا نمبر میرے پاس نسخے
میں ۳۳۹ ہے اور باب کا نمبر ۲۴۲ ہے سے نقل کرتا ہوں حدیث میں آگے ہے کہ پھر جب میں اللہ
کے پاس گیا تو اللہ نے میری امت کیلیے پچاس نمازیں فرض قرار دیں تو میں جب نمازیں لے
کر واپس آرہا تھا تو موسی علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو اسنے پوچھا کہ اللہ نے آپکی امت کیلئے

کیا فرض کیا، میں نے جواب میں کہا کہ پچاس نمازیں تو موسیٰ نے کہا کہ واپس لوٹ کر جاؤ آپکی
امت اتنی نمازیں پڑہنے کی طاقت نہیں رکھتی، پھر میں واپس گیا اور عرض کیا تو اس حدیث کے
روایت کے الفاظ ہیں کہ وضع شطرھا یعنی پچاس کا کچھ حصہ کنسیشن کیا گیا بہرحال جملہ روایتوں
کے ملانے سے یہ شطر یہ حصہ پانچ نمازوں کی کٹوتی کی بات ملتی ہے اور ہر پھیرے موسی علیہ السلام
جناب رسول اللہ کو کہتے ہیں کہ نمازیں ابھی زیادہ ہیں واپس جائیں ابھی زیادہ ہیں واپس جائیں
جب جناب موسی علیہ السلام نے جناب محمد الرسول اللہ کو چکر کٹوا کر ہر پھیرے سے پانچ پانچ
نمازوں کی کٹوتی سے نو چکر واپس بھیجا اور پچاس سے آخر میں جب پانچ نمازیں بچیں تو پھر بھی
موسی علیہ السلام نے کہا کہ ابھی بھی یہ نمازیں زیادہ ہیں واپس جائیں اور کنسیشن لیں لیکن اس وقت
ہمارے رسول نے جواب دیا کہ استحییت من ربی مجھے اب اپنے رب سے بار بار کٹوتی کی
درخواست کرنے میں حیاء آتی ہے۔ جناب قارئین مشکوۃ کی حدیث میں حضرت یحیٰ حضرت
ھارون علیہما السلام کو بھی اوپر آسمانوں پر دکھایا گیا ہے اس روایت سے سات نبی اوپر آسمان
پر رہنے والے ثابت ہوئے جبکہ آپنے قرآن میں پڑھا ایک بھی نبی اوپر نہیں ہے خلاصہ میری
عرضداشت کا ہے کہ اس حدیث معراج کی جملہ روایات کو ایک جگہ اکٹھے کر کے آپ پڑہینگے تو
اسلام کی نہایت ہی ان روایات سے تضحیک ہوتی ہے بلکہ خود جناب رسول اللہ کی عظمت پر حرف آتا
ہے کہ موسیٰ تو محمد سے بڑا ہی حکیم اور دانا ثابت ہوا جو محمد اپنی امت کو اتنا بھی نہیں پہچانتا جتنا اسے
موسیٰ جانتا تھا، جناب قارئیں! میں ابھی ابھی لاہور اردو بازار میں ایک دکان سے کتاب خرید
کرنے گیا جسنے تورات اور انجیل کی تفسیر تبیین الکلام سر سید کی لکھی ہوئی شائع کی ہے اسنے مجھ سے
ذکر کیا کہ ایک عیسائی مذھب کا پادری میرے پاس یہ تفسیر خرید کرنے آیا اس سے کچھ باتیں بھی
ہوئیں تو اسنے کہا کہ آپکے نبی محمد نے یھودیوں کے نبی موسیٰ کا کہنا نمازوں کی کٹوتی کیلئے نو بار مانا
اگر ایک بار مزید مانا ہوا ہوتا تو یہ بقایا پانچ نمازیں بھی معاف ہو جاتیں، بہرحال میرے عرض
کرنے کا مقصد یہ ہے کہ علم حدیث سے جو اسلام کی جناب رسول اللہ کی تضحیک ہوئی ہے اسکا ازالہ

کرنا بڑا ہی محال ہے اور یہ مروج علم حدیث غیر عقلی ہونے کے ساتھ قرآنی اصولوں کے سراسر مخالف علم ہے دور کیوں جائیں اس معراج کے معجزہ والی حدیثوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن حکیم کے بتائے ہوئے اصول کی روشنی میں معراج کے واقعہ پر غور کریں، اگر جناب رسول اللہ کو اوپر ملنے کیلئے بلایا جاتا ہے تو اس سے اللہ کیلئے مکان ثابت ہوتا ہے جو کہ ایسا خیال اللہ کے شان کے خلاف ہے۔ اور ملنے کیلئے جب رسول کو اوپر بلایا جاتا ہے تو رسول سے ملاقات کے وقت اللہ کائنات کی دوسری جگہوں پر موجود تھا یا نہیں، اگر موجود نہیں تھا تو بھی فاینما تولوا فثم وجه الله (۲-۱۱۰) یعنی جدھر بھی منہ پھیرو گے ادھر اللہ ہے، یہ آیت جھوٹی بنجائیگی، اور اگر موجود ہے تو پھر رسول کو اوپر بلانے کا کیا مقصد؟ پھر بھی جو مقصد رسول سے ملنے کا ہے کیا وہ اس آیت سے کہ وهو معكم اين ما كنتم والله بما تعملون بصير (۵۷-۴) یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے جدھر کہیں بھی تم ہو اور وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہوتا ہے، اب کوئی بتائے اللہ کو کسی کو ملنے کیلئے کسی خاص مکان پر بلانے کی کیا معنی اور کیا یہ معراج کا سفر اس آیت (۵۷-۴) کے مفہوم کا رد نہیں کر رہا!! کیا یہ حدیثیں ہیں جو قرآن کا تفسیر کرتی ہیں؟ اور لا یعقلون قسم کے مولوی لوگوں سے واعظ کرائے جاتے ہیں کہ قرآن حدیثوں کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا، لیکن جب آپ حدیثوں اور قرآن کو آمنے سامنے رکھینگے تو تفسیر تو کیا علم الحدیث قرآن کا رد کر رہا ہوتا ہے، یہی سبب ہے جو مدارس عربیہ میں قرآن نہیں پڑھایا جاتا، جو اہل مدارس دعویدار ہیں کہ ہم اپنے مدارس میں قرآن پڑھاتے ہیں ان سے سوال ہے کہ پھر یہ قرآن مخالف علوم کیوں پڑھاتے ہو، میری دعویٰ ہے کہ اگر کسی بھی مدرسہ میں قرآن کی تعلیم تصریف آیات قرآن سے پڑھائی جائیگی پھر اس شاگرد کو بعد میں اگر آپ یہ مروج نصابی علم الحدیث اور فقہ پڑھائینگے تو وہ شاگرد کسی بھی قیمت پر امامی علوم کو دین اسلام کا علم ماننے کیلئے تیار نہیں ہوگا جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم تقابل ادیان کا موضوع پڑھاتے ہیں انکی خدمت میں عرض ہے کہ آپ دور نہ جائیں مذاہب عالم کے بجاء صرف قرآن حکیم کو تقابل علم حدیث اور امامی فقھوں کے تقابل میں پڑھائیں پیش کریں پھر دنیا دیکھے گی کہ مسلم ہونے کے دعویدار استادوں کا

انکے شاگرد کیا تو استقبال کرتے ہیں۔ بحرحال قرآن کے اعلانات ان اللہ مع الصابرین یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۲-۱۵۳) واعلموا ان الله مع المتقين (۲-۱۹۴) وقال الله انی معکم (۵-۱۱) یعنی اللہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے کبھی کسی سے جدا نہیں ہوتا۔ یہ سب قرآنی حوالے بتارہے ہیں کہ خلاف قرآن معراج کے معجزہ کیلئے بنائی ہوئی ساری حدیثیں جھوٹی ہیں، ہم اس مضمون کو یہاں ختم کرتے ہیں۔

لڑائیوں میں رسول اللہ کو ملائکوں کی مدد

جناب قارئین! اس سلسلہ میں علم الحدیث کی عجیب عجیب روایات ذخیرہ کتب میں موجود ہیں جو میدان جنگ سے واپسی پر جبریل خود آکر رسول اللہ سے کہتے ہیں کہ آپنے تو جنگی لباس بدل کر ہتھیار رکھدئے ہیں لیکن ہم ملائک تو ابھی تک ہتھیار بند چوکس کھڑے ہیں وغیرہ وغیرہ یا اصحابوں کے ناموں کی روایات کہ مثلاً کوئی کہے کہ میں نے ملائک کو ایسے لباس میں دیکھا میں نے ملائک کو ایسے گھوڑے پر دیکھا، ان سب روایتوں کو اسلئے مسلم امت کے علمی ذخیروں میں جگہ ملی ہے جو انہوں نے اس مسئلہ میں قرآن کو غور سے نہیں پڑھا، سورۃ آل عمران میں ہے کہ اذ تقول للمؤمنين الن يكفيكم ان يمد كم ربكم بثلثة الاف من الملائكة منزلين (۳-۱۲۴) یعنی اے رسول جب میدان احد کی جنگ میں آپ اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کیلئے فرمارہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ اللہ تمہاری مدد فرمائے تین ہزار ملائکوں کے ساتھ (یعنی کہ جتنی اب تمہاری تعداد ہے) ہاں اگر تم موجودہ تعداد سے بڑھکر اگر مثال کے طور پر پانچ ہزار ہوتے تو اللہ ملائکوں کو بھی بڑھا کر پانچ ہزار کر دیتا، جناب قارئین! ملائکوں کو سمجھنا کہ یہ کس قسم کی امدادی ٹیم ہے یہ اگلی آیت (۱۲۶) پر غور کرنے سے سمجھ میں آتی ہے فرمان ہے کہ وما جعله الله الا بشرىٰ لكم ولتطمئن قلوبكم به وما النصر الا من عند الله العزيز الحكيم (۳-۱۲۶) یعنی یہ ملائکوں کے نام سے جو حقیقت ہے وہ صرف ایک قسم کی خوشخبری ہے تمہارے لئے تمہارے اطمینان قلوب کیلئے اصلی مدد تو اللہ کے قوانین جنگ پر عمل کرنے سے ملتی ہے جو اللہ غالب اور

حکمت والا ہے، محترم قارئین! دیکھا آپنے اس آیت میں ملائکہ کی تشریح تعارف، مفہوم اللہ ملائکوں کی ڈیوٹی اطمینان قلوب اور فتح کا یقین اور خوشخبری دلانا قرار دیا ہے، جسے ایک ملائک ایک سپاھی کے ساتھ رہکر اس میں سیو کرتا رہتا ہے، ملائک خود لڑتا نہیں ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ جب سپاہیوں کی تعداد تین ھزار ہے تو ملائکوں کی تعداد بھی تین ہزار بتائی جاتی ہے اسکی معنی کہ ہر سپاہی کے لئے ایک ملائک اطمینان قلب دلانے والا ہوگا اور فتح کی خوشخبری سے سرشار کرنے والا ہوگا تو اسکے لڑنے کے ڈھنگ میں ایک قسم کی حوصلہ مندی اور عزم بڑھ جائیگا اور فتح حاصل کرنے کا یقین ہوگا تو انکے لڑنے کے اطوار کچھ نرالے ہوجائینگے اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے بدر کے میدان جنگ میں لشکر والوں سے خطاب کو سمجھیں اذتستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین، 9/8 یعنی جب تم لڑائی میں مدد کے لئے اپنے رب سے مدد طلب کررہے تھے تو اللہ نے تمہاری درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کررہاہوں ایک ھزار ملائکوں سے جو آپکے مردفین ہونگے اور جدا گھوڑوں پر یا پیدل ہتھیار لیکر لڑنے والے نہیں ہونگے ،ان کا کام صرف ذہنی تثبیت دینا ہے ردیف کی معنی ہے مکمل طور پر ہموزن ساتھ کا ساتھی ایک ہی سواری پر ایک ساتھ سوار ہونے والا شعر یا بیت کے دو مصرعوں کو آپس میں ردیف کہا جاتا ہے اور اشعار کے مصرعوں والے ردیف کیلئے شرط ہے کہ دوسرے مصرعہ کا برابر کا ہموزن ہو، اس بات کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن نے جنگ بدر کے لڑنے والے سپاہ کی تعداد بھی بتادی کہ مسلم فوج ایک ہزار آدمیوں پر مشتمل تھی اسلئے انہیں فرمایا کہ انی ممدکم بالف من الملائکہ مردفین یعنی میں آپکے تعداد ایک ھزار کے موافق ملائک ہمرکاب مدد میں دے رہاہوں پھر اگلی آیت میں ملائکوں کی تشریح اور تفہیم بتلائی کہ وماجعلہ اللہ الا بشری ولتطمئن بہ قلوبکم ومالنصر الامن عند اللہ (۱۰-۸) یعنی اصل مدد تو اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے لیکن اطمینان قلب اور ساتھ ملنے کی خوشخبری یہ ملائکوں کی شکل میں مدد ہے۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ ملائکوں کی کل تفہیم صرف یہی نہیں ہے (ملائکوں کو کلی طور پر سمجھنے کیلئے جناب ازہر عباس صاحب کے مضامیں پڑہیں جو رسالہ

صوت الحق میں چھپ چکے ہیں) میں نے ابھی عرض کیا کہ جنگ بدر میں مسلم سپاہیوں کی تعداد ایک ہزار تھی ساتھ ساتھ اس انکشاف کا ثبوت میں نے اسی آیت قرآن سے بھی دے دیا، رہی بات علم حدیث کی روایات نے تو بدری سپاہیوں کی تعداد ۳۱۳ بتائی ہے تو انکی یہ تعداد بتانی یہی تو میرے مؤقف کا دلیل ہے کہ یہ حدیث ساز امام جناب رسول اللہ، اصحاب رسول، اور اسلام کے دشمن تھے، اسلیئے تو وہ اپنی معموں کی تعلیم میں اصحاب رسول کو گالی دے رہے ہیں، علماء اسلام اور امت مسلمہ کی خدمت میں مجھ ناچیز کی انتہائی مؤدبانہ، درخواست ہے کہ وہ دشمنوں کو پہچاننے کیلئے آنکھوں پر قرآن کی عینک سے کام لیا کریں آپکو پتہ نہیں کہ علم الاعداد میں ۳۱۳ کا عدد کمینوں اور بدخصلت لوگوں کیلئے مقرر کردہ ہے تعویذ لکھنے والے مولوی شاید تعویذوں کے کام آنیوالی علم الاعداد کی کتابوں میں اس حقیقت کو پاسکینگے۔ جسطرح ۷۸۶ کا عدد مسلم امت کو بیوقوف بنانے کیلئے بسم اللہ الرحمان الرحیم کا ابجد کے حساب سے فکر بتایا ہوا ہے جو کہ یہ بھی ایک بڑا مغالطہ اور فریب ہے اصل میں ۷۸۶ کا عدد دشمنان اصحاب رسول کے اپنے مخصوص نعرے کا عدد ہے جسکے الفاظ آپکو عزیز احمد صدیقی کی کتابوں میں ملینگے، بسم اللہ کی عدد ۷۸۶ نہیں ہے، نزول ملائکہ کے مضمون سے متعلق جو خاص بات عرض کرنی ہے کہ نزول ملائکہ کا معاملہ یہ جناب نبی علیہ السلام کا معجزہ نہیں ہے، ملائکوں کا نزول دوسرے عام انسانوں پر بھی ہوتا رہتا ہے ہر دور میں ہوتا رہیگا جیسا کہ فرمان ہے کہ ان الذین قالو اربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الاتخافو اولاتحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون (۳۰-۴۱) یعنی جن لوگوں نے نعرہ لگایا کہ ہمارا نظریہ معیشیت اللہ والا نظریہ سواء للسائلیں ہوگا (۱۰-۴۱) پھر اس پر ڈٹ گئے تو ایسے لوگوں پر نزول ملائکہ ہوگا جو انہیں خوف اور غم سے بے باک رکھینگے اور انکو جنت کی خوشخبری دینگے جسکا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے، نزول ملائکہ کے معجزہ سے متعلق مضمون کو یہاں ختم کرتے ہیں۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا نہیں ہوئے بی بی مریم نے شادی کی تھی

یہودی لوگوں نے جناب مریم علیہا السلام پر طرح طرح کے الزامات لگائے انکی عصمت وعفت پر رقیق حملے کئے کہ لقد جئت شیئا فریا (۲۷-۱۹) یعنی آپنے ہیکل کے قانون کی خلاف ورزی کر کے شادی کی، جو کہ یہ عمل اور سوچ تیری گھڑی ہوئی اپنی من مانی تھی، تیری ماں اور باپ تو قوانین ہیکل کے عقید تمندر ہے ہیں انہوں نے قوانین ہیکل کی کبھی بغاوت نہیں کی، یہودیوں میں ہیکل کے قوانین کے مطابق جو لڑکے اور کڑکیاں خانقاہی مرکز میں مذہب کی خدمت کرنے کیلئے وقف کردئے جاتے تھے اسکے مطابق پہلے لڑکیوں کو بطور نن کر کے اسوقت تک رکھا جاتا تھا جب تک اسے ماہواری نہ آئے، ماہواری آنے کے بعد انہیں رخصت کر دیا جاتا تھا، کچھ، عرصہ کے بعد قانون میں تبدیلی لائی گئی کہ عورت ماہواری آنے کے بعد بھی ہیکل میں راہبانہ زندگی گذار سکتی ہے لیکن پھر وہ شادی نہیں کریگی، کچھ عرصہ کے بعد پھر قانون میں ترمیم کی گئی کہ ننین اور راہبائیں شادی کرسکیں گی لیکن صرف ہیکل کے پادریوں اور راہبوں سے، باہر کے لوگوں سے انکی شادی کرنے پر بندش ہوگی، بہر حال جنابہ مریم علیہا السلام نے ہیکل مین پادریوں اور راہبوں کی بداخلاقی اور لاقانونیت کا خود مشاہدہ کیا ہوا تھا تو اسے ہیکل کی اندرونی زندگی سے نفرت آگئی اور وہاں خانقاہی ماحول کی ابتریوں پر غصہ میں تنہا پسندی سے رہنے لگی وہاں قرآن بتاتا ہے فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشراسویا، قالت انی اعوذ بالرحمان منك ان کنت تقیاقال انما انارسول ربك لاھب لك غلاما زکیا قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشرولم اك بغیا قال کذالك قال ربك ھو علیّ ھین ولنجعله ایة للناس ورحمة منا وکان امرا مقضیا۔ (۱۷تا۲۱-۱۹) یعنی ہمنے اپنے (امر ربی والے) روح کو (خواب میں) مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا جو اسکے سامنے ایک سید ہے اور درست انسان کی تمثیل میں پیش ہوا، اور اسے دیکھ کر مریم نے خواب میں بھی پارسائی کے اصول سے اسے کہا کہ اگر تجھے کوئی اللہ کا خوف

ہے تو ہٹ جا میں اپنے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں، تو اس فرشتہ نے کہا کہ میں تیرے رب کی طرف سے تیری طرف فرستادہ ہوں اس خوشخبری کے ساتھ کہ وہ تجھے ایک پاکباز لڑکا عطا کریگا، مریم نے کہا کہ مجھے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں ہے اور نہ ہی میں قوانین الاہی کی باغیہ ہوں تو اس فرشتہ نے کہا کہ تجھے بیٹا ملنا ایسے ہی ہوگا (جیسا دنیا کا دستور ہے تو شادی کریگی پھر اولاد ہوگی) کذالك کی معنی یہی ہے، فرشتہ نے مریم کو کہا کہ تیرے رب کا کہنا ہے تجھے بیٹا دینا یہ میرے لئے تو آسان مسئلہ ہے، ہمنے تو تیرے بیٹے کو دنیا جہان والوں کیلئے ایک مثالی نشانی بنانی ہے یہ ہمارا طئے شدہ فیصلہ ہے، جناب قارئین! اسکے بعد مریم شادی کرتی ہے اور اسے بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ جسکا نام بھی اللہ کا تجویز کردہ عیسیٰ مسیح ہوتا ہے انہوں نے مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف جو تہمتوں کا ایک طوفان چلایا ہوا تھا عجب لگتا ہے عیسائیوں اور مسلمانوں پر کہ انہوں نے بھی انکے جواب میں جو صفائی پیش کی ہے کہ مریم نے شادی نہیں کی تھی اور عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوا تھا اس جواب سے تو گویا انہوں نے یہودیوں کے الزام کو سچا کر دیا، اس جواب میں یہودیوں کے الزام کی تردید تو نہیں ہوئی، جناب قارئین! تاریخ کا یہ بڑا المیہ ہے جو یہودیوں نے بڑی فنکاری سے نصرانیت اور اسلام میں انہیں علم وحی کے اصولوں سے ہٹانے کے لئے توحید کی جگہ شرک اور توہم پرستی کی لائنوں پر انہیں لگا دیا ہے، اسکا تفصیل کچھ وسیع وعریض ہے جسکا موقعہ محل یہ نہیں ہے، انسانوں کی تخلیق سے متعلق اللہ نے قانون بتائے ہیں کہ یا ایھاالناس انا خلقنا کم من ذکرو انثی ---۔(۱۳-۴۹) یعنی اے انسانو! ہمنے آپکو پیدا کیا ہے مذکر اور مؤنث کے امتزاج سے، اب اس قانون میں کسی بھی جگہ پر کوئی استثنیٰ نہیں ہے صرف انسان کے ابتدائی پیدائش کیلئے بتایا ہے کہ یا ایھاالناس اتقواربکم الذی خلقکم من نفس واحدہ (۱-۴) یعنی اے انسانو! آپکو ایک جرثومہ حیات ایک جیوت سے پیدا کیا ہے اور فرمایا ہے کہ فطرت اللہ التی فطرالناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ (۳۰-۳۰) یعنی اللہ کے قانون تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں آنی، اس کیلئے مزید فرمایا کہ ذالك الدین القیم یہ قانون نہایت ہی مضبوط ہے اسکے اندر کسی عیسیٰ

وغیرہ کی کوئی استثنا نہیں ہوگی، انجیل والے لوگ اتنا تو قبول کرتے ہیں کہ مریم کی شادی بھی ہوئی ہے اور اسے اسکے شوہر سے عیسیٰ کے سوا دوسری بھی اولاد ہوئی ہے صرف عیسیٰ علیہ السلام اکیلے اللہ کے روح سے پیدا ہوئے ہیں اسکے باوجود عیسیٰ کو انجیل کے تقریباً سب راویوں نے اسے یوسف درکھان کا بیٹا مانا ہے اور مریم کی یوسف سے شادی کرنے کا ذکر بھی انجیل میں موجود ہے مسلم امت والے تو عیسائیوں جتنا بھی مریم کی شادی کو نہیں مانتے جبکہ خود قرآن میں اللہ نے مریم کی والدہ کی دعا مریم اور اس کی اولاد کیلئے بھی بتائی ہے کہ وہ کہتی ہے کہ اے میرے اللہ انی اعیذ ھا بك و ذریتھا من الشیطان الرجیم (۳۶-۳) یعنی مریم کو اور اسکی اولاد کو میں تیری پناہ میں دیتی ہوں مسلمانوں نے تو صدیوں سے قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چھوڑ دیا ہے قرآن مسلم امت کے نزدیک اہل مجوس کی گھڑی ہوئی روایات اور علم حدیث کا قیدی ہے، مسلمانوں نے جیسے کہ قسم اٹھا رکھا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی روشنی میں ولقد صرفنا فی ھذا القرآن لیذکروا (۴۱-۱۷) تصریف آیات کی رہنمائی میں قرآن کو نہیں پڑھینگے ان کا عقیدہ ہے کو قرآن علم حدیث کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا۔ اس وجہ سے وہ مریم کو بغیر شوہر کے بیٹا دئے بیٹھے ہیں جبکہ اللہ نے اپنے قانون کیلئے اعلان بھی کیا کہ میرا قانون تخلیق تبدیل ہونے والا نہیں ہے، یہی قانون ذالك دین القیم ہے (۳۰-۳۰) اور میرا اٹل فیصلہ ہے کہ ما یبدل القول لدی (۲۹-۵۰) میرے فیصلے بدلا نہیں کرتے، اس مضمون کو یہاں ختم کرتے ہیں،

جناب عیسیٰ علیہ السلام کا جھولے میں کلام کرنے کا مفہوم

اس مغالطے کی بنیاد اصل میں لفظ مھد کی معنی سے ہوا ہے جبکہ مھد کی معنی صرف جھولے کے ساتھ جڑی ہوئی اور مخصوص نہیں ہے لفظ مھد معنی کے لحاظ سے اصل میں آرام و آسائش کے بچھونے کیلئے مخصوص رہا ہے، پھر چونکہ چھوٹے بچوں کے آرام اور آسائش والا بچھونا جملہ معاشروں میں قدر مشترک چیز ہے اور پھر اس آسائش میں جھولے کی بھی ایک اہمیت ہے تو اسکا نام بچھونے کے ساتھ میں مھد شمار کیا جاتا ہے لیکن اس تفصیل کا خلاصہ ہوا آدمی کی شروع والی زندگی اور اسکا بچپنا،

سو جناب عیسیٰ علیہ السلام کی ایک خصوصیت نمایاں رہی ہے کہ وہ اپنی چھوٹی عمر میں انقلابی کی گفتگو کرنے کے ماہر رہے ہیں پکی باتیں نپی تلی باتیں کیا کرتے تھے سو اس بات کی خصوصیت اور اہمیت کے پیش نظر اللہ نے بھی عیسیٰ کی اس خوبی اور ذہانت کو اسکے لئے اپنی نعمتوں میں سے شمار کیا کہ یکلم الناس فی المھد و کھلا و من الصالحین (۴۶-۴) اسلئے اسکی والدہ مریم کو اسکے پیدا ہونے سے پہلے جو بشارت دیتے ہیں یہ لفظ مھد کا دوسرے مقام پر بھی یہ بات فرمائی یا عیسیٰ ابن مریم اذکر نعمتی علیك و علی والدتك اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المھد و کھلا اذ علمتك الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل (۱۱۰-۵) یعنی اے عیسیٰ ابن مریم یاد کر میری نعمتوں کو تیرے اوپر اور تیری والدہ کے اوپر جب تائید دلائی تجھکو میں نے روح القدس (انجیل) کے ذریعے سے جو تو باتیں کرتا تھا جوانی میں اور بڑی عمر میں بھی جب سکھایا مین نے تجھے کتاب اور حکمت دی جو کہ تورات اور انجیل تھے جناب قارئین! اس آیت (۱۱۰-۵) کے مفہوم پر غور فرمائیں بلکہ ساتھ میں آیت (۴۶-۳) میں بھی کہ اللہ عزوجل عیسیٰ علیہ السلام کے دور نبوت اور تحریک نبوت کو دو حصوں میں تقسیم فرما رہے ہیں ایک زمانہ ہے اسکی نبوت کے شروعاتی دور کا جسمیں وہ اپنی انقلابی پارٹی والوں کی توریت اور انجیل کے ذریعے ذہن سازی کرتے ہیں پھر وقت کی حکومت عیسیٰ کی تیار کردہ باغی ٹیم کے جملہ ارکان کو گرفتار کر کے کچھ کو تختہ دار پر لٹکاتی ہے، ان سب گوریلے باغیوں کا استاد عیسیٰ ہوتا ہے اور اس استاد کے ساتھ روح القدس کا کنکشن ہوتا ہے جسکی رہنمائی سے وہ گرفتار شدہ ٹیم میں سے گول ہو جاتا ہے، اس واقعہ کے بعد عیسیٰ اصحاب کہف کی طرح کچھ عرصہ انڈر گراونڈ ہو جاتا ہے پھر اپنے ظہور ثانی کیلئے ماحول کو اپنی تائید میں سمجھتا ہے تو پھر سے دوبارہ کام شروع کر دیتا ہے اس دوسرے پیریڈ کو قرآن حکیم نے ''کھلا'' سے تعبیر فرمایا ہے اس دوسرے پیریڈ کی تاریخ کو عالم نصرانیت اور یہودیت میں رکارڈ سے گول کر دیا ہے جس کا انکشاف قرآن کی آیت ۱۱۴-۵ میں کیا گیا ہے۔ محترم قارئین! جناب عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بھی نہایت بے دردی سے بگاڑا اور مسخ کیا گیا ہے، اس ماجرا کا تفصیل بہت لمبا چوڑا ہے بس

ایسے سمجھیں جیسے کہ قرآن کا ان انقلاب دشمنوں نے آپریشن کیا ہے جیسے کہ صبر کی جو معنی قرآن نے بتائی ہے کہ جم کر استقامت سے لڑنا (۶۵-۸) تو انجیل کی تحریف کرنے والوں نے، مسلم کہلانے والوں کی طرح اسکی معنے مشہور کردی کہ گھروں میں جاکر چٹائیوں کی طرح زمیں سے چمٹ کے رہنا، عیسوی تعلیم کی مسخ شدہ مثال بھی اسی سے ملتی جلتی ہے کہ عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ کوئی تمہیں منہ پر ایک طرف سے طمانچہ مارے تو اسے پھر تم دوسرا رخسار بھی پیش کرو کہ عالی جناب دوسرا طرف آپسے رہ گیا ہے ادھر سے بھی مارتے جائیں، سو جو سورۃ مریم میں آیا ہے کہ مریم پر جب مذہبی پنڈتوں نے بوچھاڑ کی تو فاشارت الیہ قالو اکیف نکلم من کان فی المھد صبیا۔ (۲۹-۱۹) یعنی مریم نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کرکے کہا کو اسکے ساتھ مناظرہ کرو بحث کرو تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو جھولے میں جھولنے والے بچوں کی طرح ہے، جناب قارئین! جب وہاں موجود جوان عیسیٰ نے دیکھا کہ یہ عباؤں قباؤں والی جبہ پوش مافیا اپنی پیری اور شیخی کے گھمنڈ میں مجھ سے بات تک کرنا گوارا نہیں کر رہے تو یہ کل کا بچہ انکے حساب سے جھولے میں جھولنے والا بچہ بڑے آب وتاب سے بولنے شروع ہوگیا کیونکہ یہ کلمۃ اللہ تو تھا ہی بس عیسیٰ کا بولنا کیا تھا وہ تو ایک طوفان تھا اسنے ان خناس قسم کے پوپ پالوں سے آنکھیں ملاتے ہوئے رعد کی طرح گجگوڑ کی اور جیسے کہ ژالہ باری شروع ہوگئی کہ انی عبداللہ اتانی الکتاب واجعلنی نبیا وجعلنی مبارکا این ماکنت واوصانی بالصلوۃ والزکوۃ مادمت حیا۔ (۳۱-۱۹) سنو مھد والے انقلابی کی بات، میں جھولے کی زندگی میں اللہ کا فرمانبردار بندہ ہوں مجھے کتاب بھی مل چکی ہے سنو میں مھد والا عیسیٰ بیٹا مریم کا نبی بھی بن چکا ہوں، میں جس جگہ بھی ہونگا وہاں جم کر اپنی مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے مضبوطی کے ساتھ کام کرونگا، اور استحصالی لٹیروں کے خلاف کلمۃ اللہ انجیل کی روشنی میں ایسی ڈیوٹی سرانجام دونگا جو ہر فرد رعیت کو سامان پرورش مل سکے یہ میری مشن تاحیات رواں دواں رہے جناب عالی اس کتاب اور نبوت ملنے کی سب باتیں صیغہ ماضی میں کہی گئی ہیں یعنی چالیس میں جو نبوت ملتی ہی عیسیٰ کا یہ دور بھی پوپ پالوں کی نظر میں مھد والی زندگی کا

دور ہے خلاصہ عرضداشت یہ ہے کہ مھد کی عمر کا مفہوم جوانی کی عمر ہے جس میں شعور کامل اور عملی جذبہ قوت ذہن اور جسم پایہ تکمیل تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے اس عرصہ میں عیسیٰ نے جو باغی ٹیم انقلاب کیلئے تیار کی ہے اور اپنی مردہ قوم کو جینے کا ڈھنگ سکھایا ہے (۱۱۰-۵) یہ اسکی مھد والی زندگی کا ابتدائی دور ہے پھر اس بغاوت کو کچلنے کیلئے جو بنی اسرائیل انکے خلاف اٹھے ہیں انہیں تختہ دار پر لٹکانے کیلئے اور میں نے انکے اس منصوبے کو ناکام بنایا (۱۱۰-۵) اس دوران عیسیٰ روپوش ہوکر انڈر گراونڈ ہوجاتے ہیں اس عرصہ روپوشی کے بعد دوبارہ آکر انقلاب کو کامیاب بناتے ہیں اسپر جب اسکی اپنی قوم مطالبہ کرتی ہے کہ انزل علینا مائدۃ من السماء یعنی ہماری معیشیت کے جاگیرداری نظام سے ہماری جان چھڑاؤ جو کمائے وہی کھائے آزاد معیشت مساوی معاشی نظام کا عیسیٰ سے مطالبہ کرتے ہیں تو یہ زمانہ عیسیٰ کے اقتدار اور حکمرانی کا ''کہلا'' والا دور ہے جیسے قرآن نے عیسوی دور کے ابتدائی مرحلہ مھد کے بعد والی دور کو ''کہلا'' سے تعبیر فرمایا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی حکمرانی کا ثبوت قرآن نے وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم (۱۱۷-۵) (شاہد بمعنی حکمران بحوالہ لتکونوا شھداء علی الناس) یعنی میں انکے اوپر شاہد تھا جب تک میں انکے اندر زندہ رہا، بہر حال نظام مملکت کا مطالبہ کرنا یہ وقت کے حکمران سے کیا جاتا ہے مسجد کے ملا سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام کا اندھوں کوڑھیوں کو شفا دینا مردوں کو زندہ کرنا مٹی کے پرندوں کو اڑانا۔

ورسولا الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن وابریء الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ وانبأکم بما تأکلون وتدخرون فی بیوتکم ان فی ذالک لآیۃ لکم ان کنتم مؤمنین (۴۹-۳) خلاصہ یعنی اے مریم تیرا وہ بیٹا بنی اسرائیل کی قوم کو ایک پیغام پہنچانے والا بی ہوگا کہ میں تمہارے پاس رب کی طرف سے ایک حیات بخش پیغام لے آیا ہوں وہ ایسا قانون ہے

جواسکے ساتھ جو اسکی رہنمائی میں اگر پرندہ بنا کر اسے میں پھونک دوں تو وہ اڑنے والا پرندہ بنجائے گا، اور وہ قانون اتنا تو اکسیر ہے جو اس سے نابیناؤں کو بینا کر دوں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب کر دوں مردوں کو زندہ کر دوں، اور اس قانون سے میں تمہیں یہ بھی بتا سکوں گا کہ تم ذخائر رزق سے کتنا کچھ خرچ کر رہے ہو اور کتنا کچھ اپنی تحویل میں ذخیرہ کر رہے ہو، میرے اس قانون مین تمہاری بقا اور استحکام کی بڑی نشانیاں ہیں۔

محترم قارئین! اس آیت کریمہ کے محاوراتی لفظوں اور اصطلاحوں کو انقلاب دشمن لوگوں نے انکی غیر محاوراتی اصلی معنوں کو کرامات اور معجزات میں لے جا کر گھسیٹا ہے، قرآن حکیم نے جب اپنی نگارشات کی تفہیم کیلئے سمجھایا بھی ہے کہ انه لحق مثل ماانکم تنطقون (۲۳-۵۱) یعنی اس کتاب کی تمثیلات اسطرح کی سچ ہیں جسطرح کہ تم اپنے آپس میں محاورات کے ذریعے افہام وتفہیم کرتے ہو، دیکھا کہ مٹی سے پرندہ بنا کر اسے پھونک سے زندہ کر کے اڑانا یہ قانون انجیل کی تفہیم کی کیسی تو لاجواب تمثیل ہے کہ تم یھودی جو آج رسوا اور بدر خاک بسر ہو جو کوئی تمہیں اپنے پاس بھی قریب ہونے نہیں دیتا آؤ یہ قانون علم وحی تمہیں مٹی سے اٹھا کر آسمان کی فضاؤں کو تمہارے قدموں تلے کر دے گا، تم علم وحی علم تورات سے ہٹکر اندھے ہو چکے ہو اسلئے پھر قریب آؤ میں تمہیں انجیل میں بتائے ہوئے علم وحی سے جو کہ وہ فارمولے اصل میں توریت کے ہی ہیں انکے ذریعے تم نابیناؤں کو اندھوں کو نور دیدوں بینائی دیدوں مردہ قوم کو زندگی دے دوں محترم قارئین! پھر قرآن نے فرمایا کہ میں تمہیں کوڑھ کی مرض سے بھی نجات دلادوں، سب جانتے ہیں کہ کوڑہی مریضوں کا پورا جسم کہیں کھال کالی کہیں گوری کہیں کھال کی کوئی ٹکڑی گلی ہوئی ہے کہیں سلامت ہے پورا جسم پوری کھال متفرق داغوں سے کالے سفید پیوندوں میں بٹا ہوا ہوتا ہے قرآن نے تمہارے اجتماعی قومی وجود کو قومی اور ملی جسم کو برص اور کوڑھ کے مریض سے تشبیھ دیتے ہوئے فرمایا کہ آؤ میں تمہیں اس کلاسفکیشن میں بٹی ہوئی نفرتوں والی زندگی سے نجات دلا کر یک جان ویک قالب کر دوں علم وحی کے ذریعے ملے ہوئے نظام سواء للسائلین (۱۰-۴۱) میں اتنی تو

مقناطیسیت ہے اور اسکا ایسا تو مربوط نظام معیشیت ہے جو اسکے سسٹم سے فوراً پتہ لگ جاتا ہے کہ کہاں کتنا خرچ ہوا کہاں کتنا اسٹور ہوا، علم وحی کا معیشت کے حوالوں سے سارا نظام کمپیوٹرائزڈ ہے جہاں کہیں بھی کوئی غبن ہوگا حساب کرنے والی مشینیں لال بتی سے سیٹیاں بجانا شروع کر دینگیں کہ چیک کرو چوری ہو رہی ہے سو آؤ تمہیں میں جاگیرداری اور سرمایادارانہ لوٹ کھسوٹ سے نجات دلا کر آسمان تک لے جا کر ترقی کی منزلیں طئے کراؤں جناب عالی! یہ ہے ان معجزات والے غلط ترجموں کا اصل خلاصہ اور ترجمہ جسکو عالمی سرمایہ داروں کے کرایہ کے دانشور انقلاب کے دشمن جو حق سچ کو بیچ کر اپنے پیٹ بھر رہے ہیں، اس برصغیر کی دھرتی نے بھی ایک لاجواب نقاد کبیرا بھائی پیدا کیا جو کہتا تھا کہ چلتی کو کہیں گاڑی رنگی کو کہیں نارنگی بنے دودھ کو کھویا، دیکھ کبیرا رویا، جناب قارئین! اگر جناب عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں کہ انبأكم بماتأكلون وتدخرون فی بیوتکم (۴۹-۳) مجھے اللہ کیطرف سے جو نظام حکومت اور نظام معیشت زمین پر رائج کرنے کیلئے ملا ہے اس میں اتنا تو مربوط سسٹم ہے جو مجھے خبر لگ جاتی ہے کہ کسنے کتنا کھایا کسنے کتنا بچایا، تو عیسیٰ کی اس بات کو مولوی لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو معجزہ ہوا، اور جب یہی بات مختلف دھاتوں سے بنا ہوا کمپیوٹر بتاتا ہے کو اسٹور سے کتنا مال نکلا ہے کتنا باقی ہے تو اسپر مولوی لوگ بتاتے ہیں کہ یہ تو سائنس ہے میرے خیال میں کبیرا اسپر بھی روتا ہوگا کہ دین ملائی سبیل اللہ فساد۔

پرندے اور جناب ابراھیم علیہ السلام

واذقال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتیٰ قال اولم تومن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی قال فخذاربعة من الطیر فصرھن الیك ثم اجعل علی کل جبل منھن جزئاثم دعھن یاتینك سعیا واعلم ان اللہ عزیز حکیم۔ (۲۶۰-۲) جب کہا ابراھیم نے کہ اے میرے رب دکھاؤ مجھے کس طرح حیاتی دیتے ہو مردہ کو، کہا (رب نے کہ) کیا تم نے ایمان نہیں لایا؟ کہا کہ ہاں (ایمان لایا ہوں) لیکن (طریقہ کار سے متعلق) اطمینان چاہتا ہوں، اپنے قلب کی خاطر، کہا کہ پھر چار پرندے لے لو بعد میں انکو اپنے ساتھ مانوس کرو، (جب وہ تیرے

ساتھ تیرے مخصوص حرکتوں اور آوازوں سے) مانوس ہو جائیں پھر انمیں کے ہر ایک حصہ کو اتنے جبلوں پر سیٹ کردے پھر آپ انہیں اپنے (مخصوص آواز سے) پکارو انکو وہ دوڑتے ہوئے ائینگے آپکے پاس جان لے کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ جناب قارئین! اس آیت کا مزید مفہوم یہ ہے کہ آپنے پڑھا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے ذات انسان کیلیئے، بین الاقوامی بین الانسانی آفاقی کائناتی عہدہ کا امام لیڈر اور نبی بنا کر مبعوث فرمایا اس سٹرفکیٹ کے ساتھ کہ انی جاعلك للناس اماما. (۲-۱۲۴) میں تجھے ذات انسان کا قائد بنا رہا ہوں اب جناب ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کی جابر بادشاہت نے جو لوٹ مار کے نظام سے انسانوں کو ہر قسم کی غلامیوں میں جکڑا ہوا تھا تو ایسے غلاموں کے سماج سے باغی ورکر اور انقلابی پیدا کرنے کا مسئلا درپیش تھا جو جاگیرداریت کی ماری ہوئی مردہ قوم کو پھر سے زندہ کرنا تھا اب ابراہیم کے سامنے احیاء اموات یعنی مردہ قوم کو حیاتی دلانے پر تو مکمل یقین تھا کہ اس کو ملے ہوئے علم میں بالکل ایسی جان ہے کہ اس سے ذہنوں کو جلاء ملیگی آیت مذکورہ میں صرف طریقہ کار معلوم کیا ہے سوال کیا ہے میں اس مردہ قوم سے جان نثار قسم سر و پیچ ساتھی جو بناؤں تو اسکا طریقہ کار کیا ہونا چاہیئے، اور اللہ کے سوال کے جواب میں کہا کہ بھروسہ اور ایمان تو میں رکھتا ہوں لیکن طریقہ کار کا تعین معلوم کرنا ہے اور بس، جناب قارئین! یہی فارمولا اللہ عزوجل نے جناب رسول اللہ کو دوسرے الفاظوں میں تھوڑے فرق کے ساتھ سمجھایا ہے کہ واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين (۲۶-۲۵) جو مؤمن لوگ تیرے تابعدار بنیں انکے لئے پر بچھائیں اپنے مہربانی کے، انکو تواضع سے پیش آئیں، اگر غور کیا جائے تو جناب رسول اللہ کو پر بچھانے کا جو حکم کیا جارہا ہے تو یہ ایک قسم کا محاورہ ہے سو بالکل اسطرح جو جناب ابراہیم علیہ السلام کو چار پرندے لیکر انہیں مانوس کر کے پھر انکی انسیت کے امتحان لینے کی بھی بات سمجھائی ہے یہ سب محاورے ہیں سب انقلاب کا رامٹیریل تیار کرنے کی باتیں ہیں، میں یہاں قرآن فہمی کیلیئے امام انقلاب عبید اللہ سندہی کا ایک قول پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں قرآن حکیم کو وہ لوگ زیادہ سمجھ سکتے ہیں جو قرآن ملنے سے پہلے ظالم مترفین کے سیاسی شکنجوں میں

جکڑے ہوئے تھے انکے بچے عورتیں غلامی کا ایندھن بنی ہوئی تھیں پھر ایسی دوزخ کی جیوت سے جان چھڑانے والے قرآنی فارمولوں سے وہ لوگ جب میدان جنگ میں آزادی کے حصول کے لئے لڑے اور اپنے پیارون کی لاشیں میدان جنگ مین زخمی حالتوں میں بھی اٹھائیں، ایسے لوگ جب قرآن پڑہینگے تو انکی فہم انکے مقابلے میں اونچا پرواز کریگی انکے مقابلہ میں جو لوگ پرتکلف آرام دہ پرتعیش مخدومانہ زندگی گذارنے والے ہونگے، سندھی صاحب کے فکر کی بات ہوئی ہے تو قرآن فہمی کیلیئے انکا ایک قول اور بھی خدمت میں پیش کروں، فارس کے اماموں نے جو اپنی گھڑی ہوئی روایات سے سیکڑوں قرآن کی آیات منسوخ بتائی ہیں جبکہ سندھی صاحب قرآن کی ایک آیت بھی منسوخ نہیں مانتا تھا، اس موضوع پر جب مولانا صاحب نے بحث کیا ہے کہ جو وصیت کیلیئے حکم قرآن ہے کہ وارثوں میں مال تقسیم کرنے سے پہلے وصت کا مال علیحدہ کر کے پھر بقیہ مال حصص کے مطابق تقسیم کیا جائے اور قرآن نے مرنے سے پہلے وصیت کا بھی حکم دیا ہے تو حدیث سازوں نے حکم وصیت کو منسوخ بتایا ہے اس سبب سے کہ جب ورثا کے حصص کا تفصیل قرآن نے دیا ہے تو اسکی وجہ سے وصیت والا حکم منسوخ ہو گیا سو امام سندھی نے وصیت کو منسوخ بنانے والوں کو کہا ہے کہ اس حکم قرآن کی حکمت کو میں زیادہ سمجھتا ہوں کہ وصیت کی حکمت کیا ہے اسلیئے کہ میری والدہ غیر مسلم ہے اسلیئے قرآن کے حکم وصیت کی اہمیت کو جتنا میں سمجھتا ہوں اتنا دوسرے تنگ نظر جدی پشتی مسلم لوگ نہیں سمجھ سکینگے، بہرحال جناب ابراہیم علیہ السلام کے سوال کہ رب ارنی کیف تحی الموتی کے جواب میں یہ فرمانا کہ خذ اربعة من الطير چار پرندے لو اس حکم میں واقعی پرندے مراد نہیں لینے بلکہ یہ استعارہ اور محاورہ ہے کہ چار آزادی پسند جوان چار ایسے آدمی جو پہلی غلامانہ زندگی سے نفرت کرنے والے اور آزادی کے حصول کا جذبہ رکھنے والے ہوں انہیں اپنے فکر و نظریہ سے ایسے مانوس بناؤ جسطرح کہ پرندوں کو شکاری لوگ اپنے ساتھ مانوس بناتے ہیں سدھا سدھا کر اپنے ساتھ رہنے کیلیئے انہیں عادی بناتے ہیں اسطرح آپ بھی انقلاب کیلیئے جو ورکر اور ساتھی بنائیں وہ نمرود کی رشوتوں پر آپ سے بیوفائی نہ کریں، جناب قارئین! اس آیت کے

تفسیر کیلئے امام بخاری نے اپنی کتاب میں آیت کا تفسیر کرنے کیلئے جو حدیث لائی ہے کہ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ نحن احق بالشك من ابراهيم اذقال رب ارنی كيف تحی الموتى قال اولم تؤمن قال بلى ولكن ليطمئن قلبی، (کتاب التفسیر سورۃ البقرہ بخاری) یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ ہم تو شک کرنے میں زیادہ حقدار ہیں ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں جب ابراہیم نے اللہ سے عرض کی کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت بتاؤ تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ ہمارے کہنے پر بھروسہ نہیں رکھتے تو ابراہیم نے کہا کہ بھروسہ تو رکھتا ہوں لیکن اطمینان قلب کے لئے سوال کیا ہے محترم قارئین! اس حدیث پر غور فرمائیں کہ حدیث سازوں نے دو بڑے الزام لگائے ہیں جناب محمد الرسول اللہ کے نام پر علم وحی پر شک دکھا رہے ہیں شک ثابت کر رہے ہیں، جبکہ یہ شک والی تہمت آیت کے الفاظ میں نہیں ہے، آیت کے اندر اللہ کا سوال ہے کہ اے ابراہیم مردہ قوم کے زندہ کرنے والے فارمولے جو کہ صحف ابراہیم میں موجود ہیں کیا یہ اپنی تاثیر میں تیرے خیال میں اعتماد کرنے کے لائق نہیں ہیں کیا؟ تو ابراہم کا جواب ہے کہ اعتماد بھروسہ کی بات نہیں ہے سوال فارمولوں پر عمل کی کیفیت سے متعلق ہے تا کہ بتائی ہوئی کیفیت پر عمل کر کے میں رزلٹ سے متعلق اطمینان قلب حاصل کرسکوں، حدیث کے اندر جناب رسول اللہ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کے دئے ہوئے کلام پر شک کرنے کیا اور یقین نہ کرنے کے بعد دوسرا حملہ یہ ہے کہ اب تو ابراہیم سے بھی بڑھکر شک کرنے کا ہمکو بھی حق پہنچتا ہے، محترم قارئین! خبر نہیں کہ آپ امام بخاری کے اور اسکے استاد الاستاد امام زہری کے اتنے بڑے حملے کو سمجھ سکے یا نہیں کہ رسول اللہ نے اللہ کے کلام پر ابراہیم کی بے اعتمادی بتانے کے بعد اپنی طرف سے بھی علم وحی پر ابراہیم کی طرح شک کرنے کا استحقاق محفوظ کر لیا ہے۔

جناب قارئین! یہ ہے علم الحدیث جس کے لئے بتایا جاتا ہے کہ یہ قرآن کا تفسیر کرتا ہے، اب کوئی بتائے کہ ہم اتنی بڑی گستاخی پر جناب ابراہیم علیہ السلام جناب محمد الرسول اللہ کے مرتبوں اور شان کے خلاف اور قرآن حکیم کے اندر تحریف معنوی پر کس کے ہاں جا کر ایسی حدیثیں بنانے

والوں کے خلاف فریاد کریں، ہے کوئی اسلام کا اللہ کے نبیوں کا قرآن کا وارث!!؟ جسکے پاس امام بخاری امام زہری کی اس حدیث اور اس جیسی گستاخانہ حدیثوں پر فریاد پیش کریں۔

ایک بستی کا سو سال اجڑ جانے کے بعد زندہ ہونا

او كالذی مر علی قرية وهی خاوية علی عروشها قال انی يحی هذه الله بعد موتها فاماته الله ماة عام ثم بعثناه قال كم لبثت قال لبثت يوما او بعض يوم قال بل لبثت مأة عام فانظر الىٰ طعامك و شرابك لم يتسنه و انظر الى حمارك ولنجعلك اية للناس وانظر الى العظام كيف ننشزها ثم نكسوها لحما فلما تبين له قال اعلم ان الله على كل شی قدير (۲۵۹-۲) یعنی مثال اس شخص کا جو گزرا ایک قومی علاقہ اور مرکز سے جس کی عمارات گر کر ملیامیٹ ہو چکی تھیں تو اسنے سوچا کہ کس طرح ان برباد شدہ بستیوں کو انکے تباہ ہونے کے بعد نیا جیون مل سکتا ہے" پھر اللہ نے اسکو سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اسکے بعد اسے اٹھایا، اور پوچھا کہ تم کتنی مدت اس حال میں رہے تو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ ہے تو اللہ نے اسے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے سو سال اس حالت میں یا اس کا کچھ حصہ گذاری ہے، اسکے باوجود دیکھو کہ تمہارا کھانا اور پانی بھی اسی حال میں ہے جو خراب نہیں ہوا اسی طرح تیرا گدھا بھی صحیح سلامت کھڑا ہے یہ سب اسلئے کیا گیا کہ تم لوگوں کے لئے علامت بنجاؤ، اور غور کرو کہ ماں کے پیٹ میں، ہم کسطرح ہڈیوں کو نشوز دیتے ہیں (خون سے) پھر انکو گوشت پہناتے ہیں (جس سے ایک بچہ تیار ہو جاتا ہے) پھر جب اسکے ذہن پر یہ پراسیس کھل گیا تو اقرار کیا کہ واقعی (یہ مردہ قوم بھی زندہ ہوسکتی ہے) اللہ ہر شی پر قدرت رکھتا ہے۔ محترم قارئین! ہمارے علماء کرام نے چونکہ قرآن فہمی کیلئے قرآن سے تو مدد لی ہی کہاں لی ہے۔ ان حضرات نے فارس کے امامی دانشوروں کی روایات سے سارا کچھ لیا ہے اور ان حضرات نے قرآن فہمی میں جان بوجھ کر رکاوٹیں ڈالی ہیں پڑھنے والوں کو بڑی کوشش کر کے قرآن کی دعوت فکر سے اہداف قرآنی سے ہٹایا ہے، پھسلایا ہے، اس کی کچھ مثالیں آپ میری کتاب کیا علم حدیث قرآن کا تفسیر ہوسکتا ہے؟ میں

پڑھ سکتے ہو، سوان لوگوں نے اس آیت (۲۵۹-۲) کو بھی ایک معجزہ کے طور پر مشہور کیا ہے۔ اصل میں اس واقعے کے اندر مسئلہ حیات اور ممات کے سمجھانے کیلئے ایک تمثیلی قصہ قرآن نے بیان فرمایا ہے، وہ اس طرح کہ بادشاہ (نمرود) جو جناب ابراہیم علیہ السلام سے مخاطب تھا تو جناب ابراہیم نے فرمایا کہ (اے بادشاہ تیری حیثیت تو کچھ بھی نہیں) میرا رب تو موت وحیاتی کا مالک ہے، سو یہ بات بادشاہ بے عقل سمجھ ہی نہ سکا اسنے کہا کہ کسی کو موت دینا اور کسی کو حیاتی بخشنا تو میں بھی کرسکتا ہوں، بیوقوف بادشاہ ابراہیم کے قول کو سمجھ ہی نہیں رہا تھا، اصل میں ابراہیم اسے کہہ رہا تھا کہ تو جس قوم پر بادشاہی کر رہا ہے اس قوم کو تو نے جابرانہ ظالمانہ طریقوں سے غلام بنا کر موت تو دیا ہے، لیکن اب قوانین الٰہی جو مردوں کو حیاتی اور جلا بخشتے ہیں انکے زندہ ہونے کی باری آرہی ہے، اَب ان قوانین حیات بخش کو اللہ نے میرے ہاتھوں تیرے خلاف اس قوم کے احیاء کیلئے عمل میں لاکر تیرا تخت الٹنے کا پروگرام بنایا ہے" سو جو اس مباحثہ میں سوال تھا قوموں کی اجتماعی موت و حیات کو سمجھنے کا، اس آیت ۲۵۷ کے بعد اگلی آیت ۲۵۹ کے اندر مردہ قوم کو حیات بخشنے کے تفصیلی پراسیس کی طرف اللہ نے ایک تمثیل کے ذریعے اشارہ دیا ہے یہ تمثیل تو او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا سے ہے یعنی اس مثال سے یہ احیاء اموات کا مسئلہ سمجھو! جو ایک شخص نے ایک برباد بستی پر گذرتے وقت کہا تھا کہ یہ قوم دوبارہ کیسے آباد ہوسکتی ہے، پھر قرآن نے تو اس شخص کو ایک سو سال موت دینے کا قصہ بتا کر پھر زندہ کر کے بعد میں ماں کے پیٹ کے اندر نطفہ سے علقہ پھر مضغہ پر عظام اسکے بعد ہڈیوں پر گوشت والے پراسیس کی طرف اشارہ فرما کر ان اللہ علی کل شیء قدیر سے سب کچھ سمجھا دیا ہے، بہرحال اس آیت کو مفسرین حضرات نے ظاہری الفاظ سو سال کے موت کو معجزہ سے تعبیر کیا ہے جبکہ ہم قرآن اور رسول اللہ کے پیروکاروں کو حکم ہے کہ تم لوگ ہر مسئلہ کو عقل کے پیمانوں میں سمجھا کرو اور سمجھایا کرو، (۱۰۸-۱۲) تو اس واقعہ کو عقل کی روسے میں سمجھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ یہ سو سال کیلئے مرجانا پھر زندہ ہونا یہ موت موقت ایک قسم کا خواب ہے جو کوئی بھی نیند میں خواب میں اتنا دورانیہ دیکھ سکتا ہے کہ کچھ قومیں اور معاشرے

بداعمالیوں میں جاگریں پھر انکے مصلحین انہیں راہ راست پر لانے کی جدوجہد کریں وہ انہیں ناکام جائیں پھر ایسی قوم پر باہر کی قوموں کی جنگیں پڑیں پھر یہ غلام بنجائیں تو اس قسم کے واقعات کو ایک سو سال کا عرصہ گذر سکتا ہے، اور یہ ایک سو سال کی تاریخ کی کہانی سرگذشت فلم یا چند گھنٹوں کے نیند میں بذریعے خواب دکھائی جاسکتی ہے، ویسے بھی اس واقعے کو بائیبل نے جناب حذقی ایل علیہ السلام کے خواب کی صورت میں پیش کیا ہے، جس خواب کا خلاصہ قرآن حکیم نے چند سطروں میں بیان کر دیا ہے۔ خلاصہ اس بات کا ہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے، رہا یہ سوال کہ اللہ نے پھر اس خواب کو خواب کیوں نہیں کہا موت کیوں کہا، سو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ نے موت اور نیند دونوں کے اندر روحوں کو اپنے قبضہ میں لے لینے کی بات کی ہے فرق انمیں کا یہ بتایا ہے کہ نیند والے کا روح جبکہ اسے وفات دینا مقصد اور پروگرام میں نہیں ہوتا تو اسے واپس کرتا ہوں اور جسے موت دے دینا مقصود ہوتا ہے تو اسکا روح اسے واپس نہیں کرتا۔ فرمان ہے کہ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسك التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی ان فی ذالك لایات لقوم یتفکرون (۴۲-۳۹) آیت کا خلاصہ اوپر آچکا ہے یعنی موت اور نیند برابر کی چیزیں ہیں پھر بھی آیت ۲۵۹ کے سو سال موت کی بات سے خواب مراد ہے جسکو اسکا تفصیل اس سے بڑھ کر جزئیات جاننا مقصود ہو تو توریت میں حذقی ایل علیہ السلام کا خواب کا قصہ پڑھے اور جہاں تک کسی مردہ قوم کو زندہ کرنے کا قصہ سمجھنے سے دلچسپی ہو تو پھر اسی آیت کے بعد آیت (۲۶۰-۲) پڑھ لے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام اللہ عزوجل سے مردہ قوموں کے حیات کیلئے پارٹی سازی۔ ورکر سازی اور تزمیل کیلئے اللہ سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، یہ اور بات ہے کہ قرآن دشمن حدیث ساز امام مافیا نے اس تعلیم کو بھی معجزوں میں سے شمار کردیا ہے لیکن اسپر بھی میرا مضمون اسی کتاب میں ایک بار نظر سے نکالیں ویسے آجکل سو سال کی کہانیاں چند گھنٹوں کی فلم میں بھی سمو کر دکھائی جاتی ہیں، پھر تو معجزوں کے پرستار لوگوں کو کیمرا بنانے والوں ٹی وی بنانے والوں وائرلیس، موبائیل، فیکس، ای میل اور کمپیوٹر

بنانے والوں کو سائنسی عقلی ایجادات کے سواء انکو غیر عقلی خرق عادت معجزات قرار دینا چاہیئے۔ اور آیت کے اندر سو سال کے موت کو ایک خواب کی طرح کا دورانیہ سو سال کا ہے۔ ورنہ تو یہ یوما او بعض یوم یعنی کچھ گھنٹوں کا وقفہ ہے جیسے کہ خواب دیکھنے والے کا کھانا پینے کا پانی وہ ابھی باسی نہیں بنا تھا، اور اسکی سواری کا جانور گدھا بھی اسطرح صحیح وسلامت تھا تو یہ سو سال کا موت ایک خواب ہی ہو سکتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔

جناب ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈھا ہوجانا

قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین قلنا یانار کونی برداو سلاما علی ابراھیم وارادو بہ فجعلناھم الاخسرین (۷۰-۲۱) کہا ان لوگوں نے (ابراہیم کو) جلا کر اسکے ساتھ اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کوئی کام کر سکتے ہو، ہم نے (انکے مقابلہ میں) کہا کہ اے آگ تو ابراھیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا، اور ان بت پرستوں نے ابراہیم کے خلاف جو منصوبے بنانے چاہے تھے ہمنے انہیں ناکام بنادیا۔

محترم قارئین! اس آیت (۷۰-۲۱) کو کرامتوں اور معجزوں کی معناؤں میں لانے والوں نے اس واقعہ کو پورے قرآن کے اندر مختلف تفہیمات سے جو اللہ نے بیان فرمایا ہے جو کہ تصریف آیات کا ہنر تفہیم قرآن کیلئے سمجھایا ہوا ہے اسکیلئے دور کے مثالوں کی طرف بعد میں چلینگے پہلے آیت (۷۰-۲۱) جو کہ ساتھ والی اگلی آیت ہے خود اس میں ہے قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم کی معنی اور مفھوم کو نہایت اچھی طرح سے سمجھایا گیا ہے، یہ آیت مکمل تفسیر ہے اپنی پچھلی آیت کا جو مفھوم سمجھایا ہے کہ ہمنے ابراہیم کے خلاف بھڑکائے جانے والے جذبات اور سازشی اسکیموں کو ناکام بنانے کے منصوبے بنائے اور اسمیں ہم کامیاب ہوئے، جناب قارئین! یہی آیت سمجھا رہی ہے کہ ہماری تدبیروں نے دشمنوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر دیا، ٹھنڈھا کرنا کیا تھا جناب! اللہ کی تدبیر ایسی تھی جیسے کہ دشمنوں کے غبارے سے ہوا نکل گئی، انکے منصوبے خاک میں ملگئے انکی بھڑکائی ہوئی آگ ٹھنڈی ہوگئی، محترم قارئین! یہ سب ہمارے ماحول کے

اندر استعمال ہونے والے محاورے ہیں۔ استعارے ہیں، لکڑیوں کو جلا کر ابراہیم کو آگ میں نہیں ڈالا گیا تھا۔ لکڑیوں کی آگ حدیثیں بنانے والوں کی جلائی ہوئی ہے۔ قرآن نے ابراہیم کے مخالفوں کی دلوں میں جو غصہ تھا گرمی تھی اسے آگ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اسطرح لفظ نار کا استعمال بطور محاورہ اور استعارہ کے سورۃ بقرہ میں آیا ہے کہ اولائک ما یاکلون فی بطونھم الاالنار (۲-۱۷۴) اس آیت میں حق سچ کو چھپانے والوں کیلئے اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے ہیں تو اس آیت میں بھی لفظ نار کا استعمال محاورے کی معنی میں آیا ہے اصلی معنی میں نہیں آیا۔ دوسرے مقام پر آیا ہے کہ قال انا خیر منہ خلقتنی من نارو خلقتہ من طین یعنی میں آدم سے بھتر ہوں اسلئے کہ مجھے آپنے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے تو اس جگہ بھی نار کا لفظ یا نار آگ کی اصلی معنی میں نہیں آیا، کلما اوقدوا نارا للحرب اطفأاللہ (۵-۶۴) جب بھی انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی تو اللہ نے اسکو بجھا دیا، تو ان ان مقامات اور ان سے بھی کئی اور مقامات پر لفظ نار اپنی اصل معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ محاورہ کی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسطرح آیت (۷۰-۲۰) مین بھی نار کا لفظ اصلی معنی میں استعمال نہیں ہوا۔

قوم ثمود کو غریبوں کے مویشیوں کو پانی نہ دینے پر عذاب

قوم ثمود کی طرف جناب صالح علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے نبی اور رسول بنا کر بھیجا تھا وہی جنگ جو جملہ انبیاء کی جنگ ہوتی رہی ہے اپنے اپنے دور کے استحصالی لٹیروں کے خلاف، اس قصہ میں بھی معاملہ نظریاتی جنگ کا ہے اس لڑائی کو مفسرین کی طرف سے معجزہ کا نام دیا گیا ہے، صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے واقعہ کے نام سے، جبکہ یہ نسبت اور نام بھی غلط ہے جو کہ قارئین کو یہ بات اس مضمون سے سمجھ میں آجائیگی۔

جناب قارئین! جناب صالح علیہ السلام کی اپنی قوم کے لٹیروں سے اصل جنگ تو نظریاتی ہے کہ دولت کا سرچشمہ جو دھرتی ہے زمین ہے یہ کسی کی جاگیر اور ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی اللہ کا قانون ہے کہ والارض وضعھا للانام ۵۵-۱۰ زمین کی وضعیت اور جڑاء یہ تو لوگوں کیلئے ہے

دہرتی کسی کی ذاتی پراپرٹی نہیں ہوسکتی جسکے لئے فرمان ہے وللہ میراث السماوات والارض آسمانوں کی املاک اور زمین کی املاک ان سب کا وارث اللہ ہے (۱۸۰-۳) وللہ ملک السماوات والارض واللہ علی کل شیء قدیر (۱۸۹-۳) زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ کیلئے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے ولقد کتبنا فی الزبور ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (۱۰۵-۲۱) ہمنے اپنی کتب انبیاء میں یہ قانون لکھت میں دیا ہوا ہے کہ زمین کے وارث وہ لوگ بنینگے جو اسکی اصلاح کرنے والے ہونگے۔ جناب قارئین! اب آئیں اور ملاحظہ فرمائیں جناب صالح علیہ السلام اور اسکے مخالفین قوم ثمود کے پیٹ بھرے لوگوں کے اختلاف اور جھگڑے کا، قال الملا الذین استکبر وامن قومه للذین استضعفوالمن آمن منھم اتعلمون ان صالحا مرسل من ربه قالوا انا بما ارسل به مومنون قال الذین استکبروا انا بالذی امنتم به کافرون (۷-۷۶-۷۵) یعنی قوم ثمود کے پیٹ بھرے امیروں نے جنہوں نے تکبر کیا تھا ثمود قوم والوں میں سے ان لوگوں کو کہا جن کو کمزور بنایا گیا تھا انمیں کو جنہوں نے ایمان لایا تھا کہ کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے؟ تو ان کمزور اور غریبوں نے کہا کہ وہ رسول تو ہیں ہی لیکن یہ بات بھی سن لو کہ انا بما ارسل به مؤمنون ہم اسکو دئے ہوئے رسالت کے فکری پیکیج پر ایمان بھی لائے ہوئے ہیں۔ تو جواب میں امیروں نے غریب اور کمزور مؤمنوں کو کہا کہ تمنے جس چیز پر ایمان لایا ہے اسکے ہم انکار کرنے والے ہیں کافر ہیں۔ آگے انکی اس جنگ کی تفصیل بڑی لمبی ہے، اس جنگ اور لڑائی کی ایک نظریاتی تفریق یہ تھی کہ جناب صالح علیہ السلام نے جو علم وحی کے نظریات پر مشتمل منشور پر جو غریبوں کی پارٹی بنائی تھی انکا معاشی نظام سواء للسائلین (۱۰-۴۱) پر مساوات والا تھا جسمیں زمین والارض وضعھا للانام (۱۰-۹۵۵) قومی ملکیت میں تھی اور اس معاشرہ مین گذر سفر کا ذریعہ بڑے پیمانے پر مویشیوں پر تھا، اور مویشیوں مین سے زیادہ تعداد مین قسم اونٹوں کی تھی، قوم ثمود جغرافیائی لحاظ سے حجاز سے شام کی طرف جانے والے راستہ پر ایک لمبی چوڑی وادی مین واقع تھی یہ لوگ اپنے مکانات ماربل کے

مٹیریل سے بنانے میں مشہور تھے اور ماہر تھے (۹-۸۹)۔

جناب قارئین! جیسے کہ عرض کیا گیا کہ جناب صالح علیہ السلام اپنے مؤمنین ساتھیوں کی تنظیم بنا کر اپنے علم وحی والے منشور کے مطابق اپنے دور کے امیروں کے مقابلہ میں جس معاشرہ کو قائم کر کے میدان عمل میں امیروں سے برسر جنگ تھے تو وادی کے اندر بارشی پانی چشموں تلابوں میں جمع کر کے دیگر ضروریات کے ساتھ مویشیوں کو وہاں ان تالابوں سے پانی پلانے پر بڑی لے دے رہتی تھی امیر لوگ بضد رہتے تھے کہ تالابوں سے صرف ہمارے ڈھور ڈھنگر پانی پیئیں۔ اور کسی کے نہیں۔ جناب صالح علیہ السلام نے چونکہ اپنی پارٹی والونکی مشترکہ معیشت کا نظام قائم کیا ہوا تھا اور پانی کے ذخائر پر وہ اپنا بھی برابر کا استحقاق سمجھتے تھے سو امیر لوگوں سے کئی اور محاذوں کے ساتھ ساتھ پانی کے مسئلے پر بھی جنگ رہتی تھی۔ سو معاشرہ کے امیر لوگوں کو ہر وقت لڑائی جھگڑے کی نیت رہتی تھی جناب صالح علیہ السلام کی ہر وقت اپیل یہ ہوتی تھی کہ یا قوم اعبدو اللہ مالکم من الہ غیرہ یعنی اے میری قوم اللہ کے قوانین کی تعمیل کرو، اسکے سواء کوئی اتھارٹی نہیں جسکی اطاعت کی جائے۔ سو اگر تمہیں ضد ہے کہ تم اللہ کے قانون کے عوض اپنی من مانی چلاؤ گے تو اب آؤ! مقابلہ ہی سہی اگر تم اللہ کے قوانین کے مقابلہ میں اپنی دولت شاہی چلانا چاہتے ہو اور مجھے تم چیلنج کر رہے ہو کہ ما انت الا بشر مثلنا فات بایة ان کنت من الصدقین۔ (۲۶-۵۴) آیا ہے تو کوئی علامت نشانی معجزہ دکھاؤ! جواب میں جناب صالح علیہ السلام نے کہا کہ اچھا جس بات پر تم راضی اسپر ہم بھی راضی اس لئے معجزہ دکھانے کیلئے دور نہیں جاتے، میں نے اعلان کیا ہوا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ کی ہے تم لوگ پانی کے تالابوں سے پانی پینے نہیں دیتے چراگاہوں سے چارہ کھانے نہیں دیتے سو سن لو کہ آئندہ جو ناقة اللہ ہے یعنی اونٹنیوں کے وہ ریوڑ جو میری حزب اللہ نے انہیں ذاتی ملکیتوں کے بجاء علم وحی کے حکم کے مطابق انہیں جملہ غریبوں محنت کشوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا ہوا ہے انکے ان تالابوں سے پانی پینے پر تم ہم سے ہر روز لڑتے ہو۔ سو سن لو ھذہ ناقة اللہ لکم آیة بس اور کوئی معجزہ کیا کریگا، یہی اونٹنیوں

کے ریوڑ ہیں یہی آیت اللہ ہے یہی سب کچھ ہے، اب ایسا کرتے ہیں کہ ایک اگریمنٹ کرتے ہیں کہ لھاشرب ولکم شرب یوم معلوم (۵۵-۲۶) یعنی باری باری کرتے ہیں ایک مقرر وقت میں تمہارے مویشی پانی پینگے اسوقت ہمارا اللہ کیلئے سب کیلئے عوامی پراپرٹی والا مویشیوں اونٹنیوں کا ریوڑ نہیں آیگا اور جب ہمارے اونٹنیوں کے ریوڑ کی باری آئیگی تو تمہارے ڈھور ڈھنگر نہیں آئینگے۔ اس معاھدہ پر تمہارا اتفاق رہے۔ اگر تمنے عمل نہیں کیا تو تم پر اللہ کا عذاب آیگا۔ پھر ہوا یہ کہ ایک باری کے موقعہ پر فنادوا صاحبھم فتعاطی فعقر (۵۴-۲۹) یعنی اپنے ایک انقلاب دشمن ساتھی کو بلا کر اونٹنیوں کے پاؤں کاٹ دیئے اور انہیں ہلاک بھی کیا۔ جناب قارئین! یہ واقعہ بھی ایسا ہے جیسے کہ اللہ عزوجل نے جناب نوح علیہ السلام کو بتایا تھا کہ کشتی بناؤ میں ایک طوفانی سیلاب لاؤنگا تو اپنے مؤمنوں کو اور ضروری مویشیوں کو کشتی میں سوار کرنا تیرے مخالفوں کی پوری پوری خبر لی جائیگی۔ اسطرح جناب صالح علیہ السلام سے اگریمنٹ توڑنے والوں کو ایک زلزلہ کے ذریعہ سے تباہ کردیا، جناب قارئین! اس قصہ میں اونٹنی کو معجزاتی اونٹنی کے طور پر مشہور کیا گیا ہے اور جناب موسی علیہ السلام کی طرف منسوب جبل طور سینا میں ساٹھ فوٹ کا ایک شگاف ہے اس کیلئے مشہور کیا گیا ہے کہ اس شگاف سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی نکلی تھی۔ وہاں سے چند قدموں کے فاصلہ پر پتھر پر اونٹنی کے پاؤں کا نشان ہے کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت صالح کی اونٹنی کے پاؤں کا نشان ہے۔ جناب قارئین! تھوڑا سا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جملہ ناقة اللّٰہ کی معنی اللہ کی اونٹنی اسکی تو خاص معنی خاص اونٹنی کے ساتھ مخصوص بنانا یہ بہت بڑی غلطی ہے جب آپنے قرآن میں پڑھا کہ للہ میراث السماوات والارض آسمانوں اور زمین کی جملہ اشیاء اللہ کی میراث ہیں تو پھر صرف ایک ناقہ ہی کیوں؟ بتایا جائے کہ کونسی چیز اللہ کی نہیں ہے؟۔ بہر حال اس بحث میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جناب صالح علیہ السلام کے مخالف امیروں نے اپنی اپنی املاک پر تیری میری کے ٹھپے لگائے ہوئے تھے اور جو لوگ جناب صالح علیہ السلام کے نظریاتی انقلاب کے ممبر تھے انکا مال مویشی سب مشترک عوامی پراپرٹی تھا علم وحی کے نظریہ کا اصول ہے کہ جو چیز بھی

اللہ کی ہے وہ سب کی ہے تو ناقة اللّٰہ کی معنی کہ عوام کی اونٹنیاں۔ یہاں کوئی سوال کرسکتا ہے کہ ناقہ کا لفظ ہر جگہ مفرد اور واحد کے صیغہ میں استعمال ہوا ہے اگر عوام کے سارے مویشی مراد ہوتے تو پھر جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا، اس سوال کا جواب ہے کہ ناقہ اسم النوع ہے، نوع کے ذیل میں اسکے لاتعداد افراد سما سکتے ہیں پھر کوئی یہ بھی سوال کرسکتا ہے کہ پھر ناقہ ہی کا نوع کیوں؟ مویشی تو اور بھی اقسام کے ہیں اسکا جواب یہ ہے کو قوم ثمود کے ہاں اکثریت اونٹوں اونٹنیوں کی تھی اسلئے نام صرف اکثریت والوں کا لیا گیا ہے مراد اسمیں سارے مویشی آجاتے ہیں مویشیوں سے جو فائدہ دودھ گوشت سواری کا لیا جاتا ہے وہ سب اونٹنیوں سے مل جاتا ہے۔

امام الہند ابوالکلام آزاد نے فرمایا:

مدّتوں غور کرنے کے بعد یہ حقیقت کھلی کہ امت اسلامیہ کے تمام مفاسد کی اصلی جڑ دو ہی چیزیں ہیں جن کو یونانیت اور عجمیت سے تعبیر کرنا چاہیے۔ سارے برگ و بار وثمراتِ فساد کو انہی سے ظہور ونمو ہوا۔ آج ہمارے مدارس میں جو علوم بہ اسم اصل واساس علوم شرعیہ پڑھائے جاتے ہیں۔ اگر کسی صاحبِ حکمت کی نظرِ کیمیاوی ان کی تحلیل وتفرید کرے تو کھل جائے کہ کس قدر حصہ ان کا شریعت اصلیہ اور دین خالص سے مرکب ہے اور کس قدر اس فتنہ عالم آشوب یونانیت وعجمیت سے، کوئی شئے اس سے نہ بچی۔ حتّیٰ کہ علومِ الٰہیہ وبلاغت وبیان اور عملاً جزئیات اعمال ورسوم وہیئات معاشرت وغیــــر ذالك جب یہ حال علوم شرعیہ بلکہ نام نہاد اصولیہ کا ہے تو پھر ان اساطیر واوہام کا کیا پوچھنا؟ جن کو بہ لقب شریف معقولات پکارا جاتا ہے۔ وان من العلم جهلاً

ان کا سرمایہ نازِ علم حق نہیں ہے جو تفرقہ مٹاتا اور اتباع سبل متفرقہ کی جگہ ایک ہی صراط مستقیم پر چلاتا ہے، بلکہ یکسر جدل وخلاف ہے، نفس پرستی اس کی کثافت کو خمیر کردیتی ہے اور دنیا طلبی کی آگ اس کی ناپاکی کے بخارات کو اور تیز کرتی رہتی ہے۔

(تذکرہ امام الہند)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

وہ ہیکل کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو جاتے اور ایک بے باک اور حق گو پیغامبرِ انقلاب کی طرح ان سے پوری جرأت کے ساتھ کہتے:

اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو، اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

اے اندھے راہ بتانے والو! تم پر افسوس ہے جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر وہ مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہو گا۔ اے احمقو اور اندھو! کون سا بڑا ہے، سونا یا وہ مقدس جس نے سونے کو مقدس کیا؟

اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ پودینے اور سونف اور زیرے پر دھمکی دیتے ہو اور تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔۔۔ اے اندھے راہ بتانے والو! جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ نگل جاتے ہو۔

کبھی ان سے کہتے:

اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کی مانند ہو۔ جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر قسم کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریا کاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔۔ اے سانپو! اے افعیٰ کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے۔

انجیل مقدس (باب ۲۳ آیات ۱-۳۶)

اور وہ کبھی اپنے متبعین کو متنبہ کرتے کہ:

دیکھو یہ فقیہ اور فریسی جو موسیٰ کی گدّی پر بیٹھے ہیں جو کچھ وہ بتائیں وہ سب کرو اور مانو، لیکن ان کے سے کام نہ کرو۔۔ وہ اپنے سب کام لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں۔ وہ اپنے بڑے تعویذ بناتے ہیں اور وہ اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے ہیں ضیافتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجے کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام لینا اور ربّی کہلانا پسند کرتے ہیں۔

انجیل (باب ۲۳ آیات ۱-۳۶)